باسمہ تعالیٰ شانہ

شمارہ اپریل 2024ء

رمضان الکریم نمبر 9

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا (القرآن)

شمارہ اپریل 2024ء

رمضان الکریم نمبر 9

انچارج	ثنا اکرم ملہی
چیف ایڈیٹر	تنہاؔ لائلپوری

رابطے کا ذریعہ:

0305-8545555

tanhalyallpuri@gmail.com

فہرست

فہرست

اداریہ

ثنا اکرم ملہی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

عزیز قارئین امید ہے کہ سب اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور رمضان کی رحمتیں، برکتیں سمیٹ رہے ہوں گے۔ آخری عشرہ کی آمد آمد ہے اور ہر ایک کی نگاہیں لیلۃ القدر کی راہ میں لگی ہوئی ہیں اور امید کرتے ہوں گے کہ ہر وہ مومن جو رمضان کی سعادتوں کو لمحہ لمحہ سمیٹ رہا ہے لیلۃ القدر کو پا کر اپنی خوشی کو چوگنا کرے۔

اس کے ساتھ ہی آپ کا اپنا ماہنامہ آپ کے انتظار کو ختم کرتے ہوئے آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس میں بہت سے قلم کاروں نے اپنی قلم کی تاثیر سے امید و نوید کا چراغ روشن کر رکھا ہے جسے پڑھ کر آپ کو ذہنی آسودگی ہو گی۔

اس ماہ آپ رمضان کی خاص تحاریر کے ساتھ ساتھ پڑھیں گے دلچسپ افسانہ و افسانچہ، شاعری، قصے اور مضامین۔

حضرت خدیجہؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ اور دیگر ایمان افروز تحاریر بھی شامل کی گئی ہیں۔

امید کرتے ہیں ہمارے قارئین کو اس ماہ کا شمارہ ضرور پسند آئے گا، اظہارِ پسندیدگی کا انتظار رہے گا۔

پڑھیے، لکھیے، شاد و آباد رہیں۔

والسلام

حمد

رباب رشیدی

تاریک خیالوں کی ضیا کون ہے، تُو ہے
دیتا ہے جو توفیقِ دعا کون ہے، تُو ہے

شادابیِ احساس کا کیا آئے، چلی جائے
جو کچھ ہے یہاں تیرے سوا، کون ہے، تُو ہے

تزین میں اک حسن ہے، تنظیم میں اک ذوق
یہ کون و مکاں، اس کا خدا کون ہے، تُو ہے

یہ سوچ ہی اکثر ہمیں سرشار کرے ہے
یہ جس سے معطر ہے فضا کون ہے، تُو ہے

جو درد میں ڈوبی ہے نوا کس کی ہے، میری
سنتا ہے جو ہر اک کی صدا کون ہے، تُو ہے

پیمانِ وفا بھولنے والوں کو کہیں کیا
جو بخش دے اس پر بھی خطا کون ہے، تُو ہے

ظفر اقبال خاموشؔ

بختِ خفتہ کو بختِ جلی کر دیا
ذکرِ محبوبِ رب جس گھڑی کر دیا

آفتابِ رسالت ترے نور نے
چاند کے داغ کو چاندنی کر دیا

نورِ چشمِ نبوت پہ قربان میں
جس نے ظلمات کو روشنی کر دیا

آپ کے غم نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنبھالا مجھے
غم نے غمگیں مجھے جب کبھی کر دیا

امتی، امتی، امتی، امتی
لب پہ جاری رہا جنتی کر دیا

یہ نگاہِ نبوت کے ہیں معجزے
دہر مل کر نہ جو کر سکی، کر دیا

مدحتِ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری شان
میرے اشعار کو بندگی کر دیا
میری خاموشی کو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنا
سن لی فریاد اور کام بھی کر دیا

محمد فرید فریادؔ

نبی ﷺ کے عشق سے بس دل مرا سرشار ہو جائے
مجھے بھی روضۂ سرکار کا دیدار ہو جائے

اسے جنت میں جانے کی اجازت مل ہی جائے گی
نبیِ پاک ﷺ سے جس کو جہاں میں پیار ہو جائے

نبی ﷺ کے عشق میں جس نے گزاری زندگی یارو
نبی ﷺ کی دید کا اصلی وہی حقدار ہو جائے

زمانے میں ہمیشہ سرخرو ہوتا رہے گا وہ
نبیِ پاک ﷺ سے جس کو سنو تم پیار ہو جائے

ثنا پھر بھی محمد ﷺ کی مکمل ہو نہیں سکتی
سمندر گر سیاہی ہو، قلم اشجار ہو جائے

جہانوں میں تو ذلت کے سوائے کچھ نہیں ملتا
نبی ﷺ کی یاد سے دل جو یہاں انکار ہو جائے

بڑی عزت تری فریادؔ ہو گی پھر زمانے میں
اگر رشتہ نبی ﷺ سے پختہ تر اک بار ہو جائے

دل کی دنیا

سیدہ فاطمہ طارق

"اللہ اکبر، اللہ اکبر" موذن کی اذانِ مغرب کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی اور کاشانہ حیدر میں اپنی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پہ بیٹھی سحر حیدر اپنی پلیٹ سے انصاف کرتی نظر آ رہی تھی۔

"ارے بھئی، آج تو رمضان سیریز کی پانچویں قسط آئے گی، بہت ہی کمال کا ڈرامہ چل رہا ہے۔ میں تو چلی اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھنے۔" سحر نے سموسوں اور پکوڑوں سے بھری پلیٹ میں اسپیگھٹی کا اضافہ کیا اور ٹی وی لاونج کی طرف چلتی بنی۔

"سحر! مغرب کی نماز پڑھ کے ڈرامہ دیکھنا۔" شہناز بیگم نے اپنی طرف سے دینداری کا ثبوت دیتے ہوئے بیٹی کو نصیحت کی۔ کومل جو شہناز بیگم کی بڑی بیٹی تھی، بس ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

مغرب کی نماز پڑھتے ہی کومل ٹی وی لاونج میں آئی اور اپنے سے دو سال چھوٹی سحر کو سمجھاتے ہوئے بولی: "سحر! رمضان رحمتوں، برکتوں اور توبہ کا مہینہ ہے، ہم عام دنوں میں کیا کم گناہ کرتے ہیں، جو رمضان میں بھی باز نہ آئیں؟ چلو جلدی سے شاباش اٹھو، تراویح کا وقت ہونے والا ہے۔ دونوں ساتھ تراویح پڑھتے ہیں۔ پتا نہیں تم نے مغرب کی نماز پڑھی بھی ہے یا۔

"اچھا بس آپی، ہر وقت یہ نصیحتیں مت شروع کر دیا کریں۔ ابھی میرا پسندیدہ ڈرامہ آ رہا ہے اور میں یہ کسی طور نہیں چھوڑ سکتی، رمضان کی خاطر بھی نہیں، لہٰذا آپ جائیں اور مجھے میرا ڈرامہ دیکھنے دیں۔" سحر کومل کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئی اور کومل نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

دل کی دنیا

سیدہ فاطمہ طارق

رات کے کھانے کے بعد جب دونوں بہنیں اپنے کمرے میں تھیں۔ کومل قرآن کی تلاوت کررہی تھی۔ سحر نے موبائل فون سے ایک ماڈل کی تصویر نکالی اور کومل کو دکھاتے ہوئے بولی: "یہ دیکھیں آپی! میں عید پر یہ والا برانڈڈ جینز اور ٹی شرٹ خریدوں گی۔ عید پر اپنی سب دوستوں اور کزنز کے مقابلے میں سب سے مہنگا اور اسٹائلش جوڑا میرا ہو گا۔"

کومل نے قرآن کی تلاوت مکمل کرنے کے بعد سحر سے کہا: "سحر! اللہ تعالیٰ دکھاوے کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ ہمیں اچھے کپڑے دوسروں کو کمتر ثابت کرنے کے لیے نہیں پہننے چاہیے بلکہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرنے کے لیے پہننے چاہیے۔"

"ایک تو آپی آپ اور آپ کی نصیحتیں، مجھے تو لگتا ہے آپ کے اندر کوئی بڑھی روح موجود ہے۔" سحر کے اس جواب پر کومل اس کو تاسف سے دیکھنے لگی۔

اگلے دن سحر عید کی خریداری کرنے مال چلی گئی۔ اسٹائلش، برانڈڈ جوڑا لے کر اس کی دل کی مراد پوری ہوگئی تھی۔ ابھی وہ ڈرائیور کے ساتھ گھر پہنچنے ہی والی تھی کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اس کو اور ڈرائیور کو بروقت ہسپتال پہنچایا گیا لیکن ڈرائیور تو جانبر نہ ہوسکا۔ اور سحر، سحر پیروں سے معذور ہوتے ہوتے بچی تھی۔ اللہ نے اسے نئ زندگی دی تھی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی ایکسیڈنٹ میں متاثر ہوئی تھی۔ وہ ایک مہینے تک وہیل چیئر کے رحم و کرم پر تھی لیکن اللہ کا شکر تھا کہ وہ زندگی بھر کی معذوری سے بچ گئی تھی۔

دل کی دنیا

سیدہ فاطمہ طارق

کبھی شہناز بیگم اس کا صدقہ اتار رہی ہوتیں تو کبھی حیدر صاحب اس پر کوئی وظیفہ پڑھ کر پھونک رہے ہوتے۔ سحر کو تو گویا چپ لگ گئی تھی۔ نہ وہ کسی سے بات کرتی تھی اور نہ پہلے کی طرح ہنستی بولتی تھی۔ روز فزیوتھراپسٹ آ کر اس کو ورزش کراتی اور وہ کسی روبوٹ کی طرح تھراپی کرتی رہتی۔

وہ رات کے اس پہر تہجد پڑھ کے گیلری میں آ کے بیٹھ گئی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا، ایک گہری خاموشی۔ وہ اپنے رب کو یاد کرنے کے لیے دل کا سکون پانے کے لیے رات کے اس پہر اٹھی اور اپنے رب سے ڈھیروں باتیں کرنے کے بعد گیلری میں آ کر بیٹھ گئی۔ سحر کی اس خاموشی کو کومل نے بہت بار محسوس کیا تھا۔ اس کو گیلری میں اکیلے دیکھ کر وہ سحر کے پاس آ گئی، اور اس سے بولی: "سحر! میری جان، میری پیاری بہن، تم پہلے کی طرح چہکتی کیوں نہیں؟ مجھے وہ پرانی سحر چاہیے جو ہر وقت ہمارے گھر میں کھلکھلاتی رہتی تھی۔"

"نہیں آپی نہیں، آپ دوبارہ سے اس سحر کا تذکرہ مت کریں، وہ سحر تو کہیں مر گئی ہے اور اس کو مر جانا ہی بہتر تھا۔ جہنم کی ابدی آگ میں روز جلنے سے بہتر یہ تھا کہ اس پرانی سحر نے اس دنیا کا چھوٹا سا عذاب بھگت کر اپنے آپ کو جہنم کے ابدی عذاب سے بچانے کا عزم کر لیا ہے۔ میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے آپی اور میں اس کرب کو دوبارہ یاد بھی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ صحیح کہتی تھیں کہ ہمیں کم از کم رمضان میں تو گناہوں سے دور رہنا چاہیے، اپنی غلطیوں کا جائزہ لیں، اپنا محاسبہ کریں، اپنی اصلاح کر لیں۔

دل کی دنیا

سیدہ فاطمہ طارق

یہ وہ مہینہ ہے جس میں شبِ قدر ہے، اور اس مہینے میں جبرئیلِ امین تمام بنی نوع انسانی کے لیے قرآن لے کر نازل ہوئے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہینے میں اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق بنائیں کہ دنیا کہیں پیچھے رہ جائے اور آخرت ہماری زندگی کا مقصد بن جائے۔ ہم اس دنیا میں رہیں لیکن دل میں اللہ بس جائے۔" یہ کہتے ہوئے سحر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

صلیبِ فکر (تبصرہ)

حمزہ ارشد

ہماری داستانِ غم، سنو گے، سوچ لو پہلے
ہوا ہے کیوں بپا ماتم، سنو گے، سوچ لو پہلے

تحصیل کامونکی سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ پائے کے شاعر جناب ہمراز نیر صاحب کتاب "صلیبِ فکر" کے خالق ہیں۔ اس کتاب سے قبل ان کی چار کتب شائع ہو چکی ہیں۔

"صلیبِ فکر" ایک اہم اور دلچسپ اردو شاعری کتاب ہے جو قاری کو انسانیت کے مختلف پہلو، احساسات اور خیالات کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ یہ کتاب انسانیت کی حقیقتوں اور احساسات کو بیان کرتی ہے اور شاعری کی روشنی میں مختلف موضوعات پر شاعری کے اشعار اور غزلیں پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ پروفیسر لالہ رخ بخاری نے موجز طریقے سے لکھا ہے۔ جس میں اس کی اہمیت، موضوعات، مقصد، ساختار اور تاثیرات کو بیان کیے ہیں۔

"صلیبِ فکر" کی اہمیت یہ ہے کہ یہ قاری کو انسانیت کے مختلف پہلو، جیسے عشق، غم، امید اور انسانیت کی اہمیت کو سمجھانے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے، قاری کو اپنی زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے اور ان کا فہم کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھنے میں تو یہ جیون ہے کتابِ غم، پر
اس میں انواع کے مضمون کئی ہیں، کیوں ہیں؟

خرد کی بات جنھوں نے سرِ صلیب کہی
جنوں کی بزم میں کہلائے ہیں وہ دیوانے

بازارِ ہوس میں ہیں طلب گار ہوس کے
اب جنسِ حقیقت کا خریدار کہاں ہے؟
سنتے تھے کہ یہ شہر، وفا کا ہے گلستاں
نفرت کا یہ صحرا ہے، چمن زار کہاں ہے؟

ہمراز ریت کی کہاں بجھتی تھی تشنگی
سسی کے آبلوں نے کیا سرد ریت کو

خوف کے محبس، صلیبِ جبرِ غم کی نوک پر
"صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا"

حمزہ ارشد

"صلیبِ فکر" ایک ایسی کتاب ہے جو قارئین کے دلوں کو چھونے والی شاعری کا مظہر ہے۔ اس کتاب کے ذریعے، قاری کو انسانیت کے مختلف پہلو، احساسات اور خیالات کی دنیا سے واقف ہونے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ موصوف کہیں کہیں یوں بھی نالاں ہیں کہ:

میں تو بس ایک بوند تھا آبِ حیات کی
اک حسن کی نگاہ نے دریا کیا مجھے

حسن پر کیوں غرور ہے اتنا
حسن والے بھی مرتے دیکھے ہیں

جن پہ نیّرؔ زمانہ مرتا ہے
ہم نے وہ لوگ مرتے دیکھے ہیں

ننگے بدن پہ اوڑھ لی زخموں کی اک ردا
سردارِ عشق ہم تھے، سرِ دار آ گئے

میرا مشورہ ہے سب دوست ایک بار ضرور اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملے گا۔ اب اس دعا کے ساتھ کہ مالک کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

فاطمہ محمود

خلاصہ: یہ کہانی ایسے کزنز پر ہے جن میں کچھ شوخ مزاج کے مالک ہیں اور کچھ سنجیدگی کے دلدادے، کچھ لڑاکے سے اور کچھ محبت بانٹنے والے، کچھ گھر میں رونق پھیلانے والے۔ ایک چنچل سی لڑکی کی جو خواب میں ڈر جایا کرتی تھی، ایک ایسے ہیرو کی جو ہیروئن کو پسند کرنے کے باوجود اس سے لڑنے کی چاہ میں رہتا تھا۔ اک ایسی لڑکی کی جس نے خود کے ٹھکرائے جانے کے بعد بھی کوئی گلہ نہ کیا تھا۔

"صاحب مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، مجھے معاف کر دو"۔ ایک سنسان سڑک پر چار پانچ گاڑیاں کھڑی تھیں ان گاڑیوں کے آگے پیچھے ایک آدمی بیٹھا گڑگڑا رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کچھ آدمی کھڑے تھے اور شاید انہیں آدمیوں کے باس سے وہ زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"تو باس کا وفادار بنا رہا اور چمچی گری دشمنوں کی"۔

زیرو نے سختی سے مٹھی بھینچی اور اس آدمی کے منہ پر مکا جڑا وہ آدمی کراہ کر رہ گیا۔

"معاف کر دیں صاحب آئندہ ایسا نہیں ہو گا"۔

"آئندہ کے لیے مہلت دی جائے گی تو ایسا ہو گا"۔ زیرو نے جتاتی مسکراہٹ سے کہا جبکہ اس آدمی کو ایک خوف کھانے لگا۔

"صاحب معاف کر دیں مجھے بہت بڑی غلطی ہو گئی"۔

وہ زیرو کے پاؤں میں گر کر اور رونے لگا زیرو نے سخت نظروں سے اسے دیکھا اسے یہ سب پسند نہ تھا اس نے اس آدمی کو کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ "اب اگر تم میرے پاؤں میں پڑے تو سیدھا اوپر پہنچا دوں گا سیدھا بیٹھا رہ"۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

محبتیں شوق دل پرندوں سی

فاطمہ محمود

"ٹھاہ" ایک گولی گاڑی کی طرف سے آئی تھی اور اس آدمی کے کان کے قریب سے گزر کر ہوا میں تحلیل ہو گئی یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ آدمی وہیں بے ہوش ہو گیا۔
باقی سب بھی وہیں ساکت رہ گئے کچھ دیر کے بعد زیرو ہوش کی دنیا میں آیا اور جلدی سے درمیانی گاڑی کے شیشے کے پاس جا رکا جہاں اندر بیٹھے شخص کی کالی آنکھوں میں سختی تھی۔
"جی باس" احتراماً نظریں نیچے تھیں۔
"زیرو اتنا وقت نہ لگایا کرو کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے ان گداروں سے نمٹنے کا میرے کھلے عام دشمن بہت ہیں بس اسے جلدی جلدی جہاں پہنچانا تھا پہنچاؤ اور چلو"۔
سکندر شاہ نے حکم دیتے ہوئے گن کو اندر رکھا اور کالے بالوں کو سیٹ کرتا کالی آنکھوں پر کالی گلاسز لگا۔

زیرو کام نمٹانے واپس چلا گیا اور دو منٹ بعد ہی سب گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔
"ارے میرے کوئی بال ہی بنا دے"۔
الیمشا چڑتی ہوئی زمیہ کے کمرے میں آئی جہاں اسے معلوم تھا کہ نویرہ پہلے ہی بیٹھی ہو گی اور واقع میں ہی نویرہ وہاں زمیہ کے بیڈ پر بیٹھی لیپ ٹاپ پر مووی دیکھ رہی تھی۔
"ارے کوئی تو بنا دو میرے بال"۔
الیمشا نے اپنے کندھوں سے نیچے آتے بالوں کو پکڑتے ہوئے کہا جو نہ بڑھتے تھے اور نہ کم ہوتے تھے اور یہ بھی کہنا الیمشا میڈم کا ہی تھا۔
"تم اور تمھارے بال ان کے سوا کوئی کام نہیں ہے کیا؟" نویرہ نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر کرتے اسے ایک گھوری سے نوازا۔
"بنا دیں آپی غصہ نہ کریں"۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

محبتیں شوق دل پرندوں سی

فاطمہ محمود

"اچھا بنا دیتی ہوں نویرہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آئی اور المیشا کے بال بنانے لگی۔
"آپی آہستہ کھینچ لیں"۔ المیشا دھیما سا چلائی تھی۔
"آہستہ ہی کر رہی ہوں پتا نہیں کتنے دنوں سے کنگھی نہیں کی"۔
نویرہ نے اس کے بالوں میں برش چلاتے ہوئے کہا۔
"کتنے منتوں کی آپی بات کریں دن میں میں کتنی بار کنگھی کرتی ہوں اب میں کیا کروں"۔
"کیوں لڑ رہی ہو تم دونوں؟" ٹاول سے ڈارک براؤن ریشم سے بالوں کو صاف کرتی وہ باہر نکلی وہ موٹی آنکھوں والی لڑکی پہلے ہی کم خوبصورت نہ تھی کہ اوپر سے اس کے بالوں نے مزید خوبصورتی بڑھا رکھی تھی۔
ڈارک براؤن ریشم سے بال جو کہ کمر تک آتے تھے اور اس کمزور لڑکی پر بھارے لمبے بال بہت زیادہ بھلے لگتے تھے۔ "آپی کنگھی کروا رہی ہوں تو بال کھینچ رہے ہیں"۔
"خود کنگھی کیا کرو بال نہیں کھنچتے"۔ زمیہ نے ٹاول کو بالکونی میں پھیلاتے ہوئے۔ عقلمندانہ مشورہ دیا۔
"اچھا جی" المیشا نے گھور کر چہرہ موڑ لیا۔ "یہ لو بن گئے بال اب جا کے پڑھائی کرو"۔ نویرہ نے اونچی پونی کر کے آرڈر دیا اور المیشا بھی چلی گئی۔ "نویرہ چلو اسائنمنٹ بناتے ہیں جلدی اٹھو"۔ زمیہ نے بالوں میں کنگھی پھیرتے سوچوں میں گم نویرہ کو کہا۔
"آ جا بہن پتا نہیں کن سوچوں میں گم رہتی ہو"۔ زمیہ اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ تک لائی۔ "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اس ہفتے جو یونیورسٹی میں فنکشن ہے اس میں پتا نہیں جانے کی اجازیت ملے گی یا نہیں"۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

محبتیں شوق دل پرندوں سی

فاطمہ محمود

"نویرہ تم بھی پاگل یہ اب سوچنے کو وقت نہیں ہے"۔
"تو اور کب سوچیں گے بھائی نے ڈائریکٹ دادی کو کہنا ہے کہ ہمیں منع کر دیں کہ اجازت نہیں ہے"۔
"ورنہ تمھارے اس کھڑوس روکھے سوکھے بھائی کو پتا ہے کہ میں جاؤں گی اس لیے ایسا کرتا ہے کبھی میں یہ بھی حساب لوں گی دیکھ لینا اس بار اگر ایسا ہوا تو"۔
"بہن تم لڑنے نہ لگ جانا ہم اجازت لے ہی لیں گے"۔ نویرہ نے بات کو ختم کرنا ہی مناسب سمجھا ورنہ وہ جانتی تھی کہ زمیہ کو اس کے بھائی کے نام سے بھی کتنی چڑ ہوتی تھی اس کی بات پر زمیہ نے اسے ایک گھوری سے نوازا۔
شاہ بی بی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں جب شاہ صاحب ان کے پاس آ کر بیٹھے تھے۔
"کیا ہوا ہے بیگم ایسے خاموش کیوں بیٹھی ہوئی ہیں آپ ایسے اچھی نہیں لگتیں، مسکرایا کریں"۔ شاہ صاحب کی بات پر شاہ بی بی نے چہرہ ان کی طرف کیا۔
"کمال کرتے ہیں شاہ صاحب آپ بھی اب میں اکیلی کن دیواروں سے باتیں کروں"۔ "ہم سے ہی باتیں کر لیا کریں"۔
اب ہر وقت آپ میرے پلو سے بندھے تو نہیں رہ سکتے ناں آپ بھی مصروف ہوتے ہیں گھر میں بچے ہوں تو مصروف ہو جاؤں بچے بھی اب بڑے ہوں گئے ہیں"۔
"آپ کا کیا خیال ہے پھر ہم پھر بڑے پوتے کی شادی کر دیں"۔
"جی یہی خیال ہے لیکن بہو لائیں گے تو گھر کی ہی لائیں گے"۔
"لیکن ابھی تو پھر ایسا کوئی چانس نہیں لگ رہا"۔

محبتیں شوق دل پرندوں سی

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

فاطمہ محمود

"صبر کر لیتے ہیں صحیح موقع پر ہم بھی اپنی خواہش منوا لیں گے"۔ شاہ صاحب اور شاہ بی بی دونوں مسکرا دیے۔

پرپل پرنٹڈ قمیض شلوار کے ساتھ آف وائٹ کیپری پہنے سر پر پرپل دوپٹہ اوڑھے وہ سیڑھیوں سے نیچے آئی اور سیدھا کچن میں داخل ہوئی جہاں سہانہ بیگم اور ماریہ بیگم زور و شور سے کام کرنے میں مگن تھیں اور ملازماؤں کو بھی نصیحت کر رہی تھیں۔ "میرے لائق کوئی کام"۔ زمیہ کی چہکتی آواز پر دونوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"شاباش میرا پتر تو باہر نکل یہاں سے تجھے یہاں کس نے دعوت دی آنے کی"۔ سہانہ بیگم نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کا دروازہ دکھایا۔ "خالہ ماما یہ کیا بات ہوئی مجھے بھی کچھ سیکھنے دیں"۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمھیں کچھ سیکھنے کی تمھیں منع کیا ہے ناں آئندہ یہاں نہیں آنا"۔ سہانہ بیگم نے اسے پوری طرح کچن سے نکالا زمیہ نے غصے سے ایک نظر کچن پر ڈالی اور لاؤنج میں چلی گئی۔

"السلام علیکم!" زمیہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی پورے جوش سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! میرا پتر آ گیا"۔ شاہ بی بی نے مسکرا کر جواب دیا اور اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

"دادی بڑی تھی خیر آپ بھی اداس ہو گئی ہوں گی"۔

پتر میں نے کیوں اداس ہو نا مجھے تو عادت ہو گئی ہے"۔

"اسمائل" المیشا نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا کیونکہ موبائل کا کیمرہ ان کی طرف کیا ہوا تھا ویڈیو بنا رہی تھی۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

فاطمہ محمود

"المیشا ہزار بار منع کیا ہے کہ ایسی حرکتیں نہ کیا کر کسی دن مار کھائے گی انہی حرکتوں کی وجہ سے"۔ شاہ بی بی نے اسے غصے سے گھورا تھا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہیں دادو ویڈیو ہی بنا رہی ہوں کوئی گناہ تو نہیں کر رہی"۔

"یہ بھی گناہ سے کم نہیں ہے بس تجھے عقل نہیں آتی"۔ شاہ بی بی نے اسے ڈانٹ رہی تھیں المیشا کے چہرے کے تاثرات بگڑ رہے تھے جبکہ زمیہ ان کی گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"دادو آپ مجھے کم ڈانٹا کریں"۔

"کیوں؟"

"کیونکہ، اب میں بڑی ہو گئی ہوں انٹر میں پڑھ رہی ہوں میں"۔ "تم اپنی حرکتیں تو پہلے بڑوں والی کر لو پھر میں بھی ڈانٹنا چھوڑ دوں گی"۔

"دادو آپ کو کیوں میری حرکتیں بڑوں والی نہیں لگتیں؟

آپی آپ کیوں چپ بیٹھی ہیں؟ آپ سپورٹ کریں میری"۔

"ماں صدقے جسے سپورٹ کرنے کو کہہ رہی ہو اس نے عقلمندی میں بڑی پی۔ایچ۔ڈی کر رکھی ہے"۔ زمیہ نے بات کرنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ شاہ بی بی کی بات پر اس کے تیور بگڑے۔

"دادو جان یہ کیا بات ہوئی میں ایسے تو نہیں کرتی یہ المیشا میڈم سارا دن جاسوسی میں لگی رہتی ہیں"۔ "واہ! واہ! اپنی بات آئی تو آپی آپ اپنا ہی دفاع کرنے لگ گئیں"۔ "بس کرو کوئی جنگ کا میدان نہیں ہے"۔ شاہ بی بی نے المیشا کو شروع ہوتا دیکھ بات کو ختم کرنا چاہا۔

"آپی میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی"۔

کزنز میرج بیسڈ ناول
قسط # 1

محبتیں شوق دل پرندوں سی

فاطمہ محمود

المیشا صوفے پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ "اچھا ناراض نہ ہو میں تمھیں ایک نیوز دوں گی"۔ "سچ آپی جلدی آئیں پھر کمرے میں"۔ المیشا چہکتی باہر نکل گئی۔ زمیہ نے حیرانگی سے شاہ بی بی کی طرف دیکھا، شاہ بی بی نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔
"دادو آپ میری ایک بات مانیں گی"۔ زمیہ نے موقع پا کر بات کو شروع کیا، "کہو"۔ "اسی ہفتے ہماری یونی میں فنکشن ہے آپ جانے کی اجازت دے دیں اور پلیز اس توپ سنگھ کی بات ہر گز ماننے کی ضرورت نہیں ہے"۔ "وہ تم لوگوں کے بھلے کی بات کرتا ہے اگر منع کرتا ہے"۔ "بھلے کی بات نہیں، بدلہ لیتا ہے، حکم چلاتا ہے، فضول کا جب خود پارٹیز کرتا ہے تب؟""" "پتر ہزار بار کہا ہے بڑا ہے تم سے تمیز سے بات کیا کرو"۔ "دادو جان میں کر لوں گی بس آپ نے اس کی بات آئی، میں ان کی بات نہیں مانی آخر ہماری بھی کوئی زندگی ہے ہم انجوائے نہیں کر سکتے کیا"۔ زمیہ نے معصومیت کے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔ "اچھا! ٹھیک ہے میرا پتر نہیں روکتی چلے جانا اب جاؤ مجھے ذرا آرام کرنے دو"۔ "میری پیاری دادو" زمیہ نے ان کا ماتھا چوما تھا اور چہکتی ہوئی باہر نکل گئی۔
رات کے 11 بج چکے تھے گھر میں اس وقت واحد زمیہ شاہ ہی جاگ رہی تھی باقی سب افراد مزے سے سو رہے تھے۔ زمیہ کمرے سے نکل کر نیچے آئی۔ فریج سے بریانی نکال کر اوون میں گرم کی، ابھی اس نے منہ میں ایک ہی چمچ ڈالا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، وہ ہزاروں افراد میں بھی ان قدموں کی آواز کو پہچان سکتی تھی اس نے وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے غائب ہونا ہی ضروری سمجھا، وہ جلدی سے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئی ورنہ آدھی رات کو جنگ پکی تھی۔

عورت

حرا شیخ

میں عورت ہوں،
میرے ایسے کون سے حقوق ہیں جو مجھے نہیں دیے گئے؟
الحمدللہ میرے مذہب نے مجھے چودہ سو سال پہلے تمام حقوق دے دیے تھے۔
انسانیت، شفقت، تعلیم، عزت، رشتہ، وراثت ہر حق مجھے میرے اسلام نے دیا۔ میں قید ہر گز نہیں، نہ میں بوجھ ہوں۔ میں تو بلکل آزاد ہوں، اسلام کی قائم کردہ حدود کے اندر۔
وہ حدود جو میرے لیے، میری حفاظت، عزت، میرے فائدے کے لیے اللہ کی قائم کردہ ہیں۔
میں بیٹی ہوں تو رحمت
میں بہن ہوں تو عزت
میں بیوی ہوں تو راحت
میں ماں ہوں تو قدموں تلے جنت
میں بابا کی شہزادی
بھائی کا فخر
شوہر کی ملکہ
میں وفا کی پیکر
حیا میرا زیور
یہ فیمینزم کے نعرے مجھ پہ نہیں جچتے، مرد و عورت کی برابری مجھے نہیں چاہیے۔
میں رب تعالیٰ کی طرف سے فطری طور پہ کمزور تخلیق کی گئی ہوں۔
کیا میں سخت موسم سرد و گرم کا مقابلہ کرتے ہوئے گھر کی کفالت کر سکتی ہوں؟
فطرت کے قانون فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہی جچتے ہیں۔
میں تو اسلام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے آج بھی آزاد ہوں۔
میں محبت و شفقت سے پلتی ہوں، تعلیم حاصل کرتی ہوں، دین پر عمل میرا حق ہے،
میں والدین کے شفقت کے سائے میں رخصت ہوتی ہوں، میرا نان نفقہ شوہر پر فرض کیا گیا۔

حرا شیخ

مجھ سے بہترین سلوک کا حکم دیا گیا۔
میرے ہر روپ سے احترام اور حسنِ سلوک کا اسلام نے درس دیا۔
مجھے کس حق کی کمی ہے؟
جب جنتی عورتوں کی سردار فاطمہؓ بنت محمد ﷺ ان حقوق پہ راضی رہیں تو مجھے آخر کیوں برابری چاہیے؟
بحیثیت عورت میرا فرض ہے میں ان گرتے ہوئے حالات میں اپنے باپ، بھائی، شوہر پر اپنی خواہشات کا کم سے کم بوجھ ڈالوں، ان کے لیے اسلام کی چار دیواری میں رہتے ہوئے تعاون کا سبب بنوں۔
بحیثیت عورت میرا عورتوں پر ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا فرض ہے، ان کے حقوق کے لیے مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔
میں بنتِ حوا ہوں، میں بنوں گی مثل فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ

میں چلوں گی نقشِ قدم عائشہؓ زوجہ نبی ﷺ
میں خولہؓ
میں صفیہؓ
میں خنساءؓ
میں اسماءؓ
حیا میرا شعار
ملا مجھے عزت و وقار
پردہ میرا جہاد
میں جرأت و امن کی امیں
میں عزم و یقیں کا نشاں
میں بنتِ اسلام ہوں
میں عورت ہوں
میں عورت ہوں

سونیا ارم

کہتے ہیں کہ زندگی ایک سفر کی طرح ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، بس چلتا ہی رہتا ہے لیکن جہاں زندگی ختم ہوئی وہیں اس سفر کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ آئے روز کئی چھوٹے بڑے سفر کرتے ہی رہتے ہیں لیکن کچھ سفر ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے لیے ایک خوبصورت یاد یا پھر ایک سبق بن جاتے ہیں۔

ویسے تو میں نے "چکوال" سے "کراچی" کا سفر لاتعداد بار کیا ہے لیکن آج میں آپ کو "چکوال" سے "راولپنڈی" کا اپنا سفر نامہ سناؤں گی۔ میں چکوال کے ایک گاؤں کی رہائشی ہوں۔ ہمارے خاندان والے پیر، فقیر اور دربار وغیرہ پہ جاتے رہتے ہیں اور کسی پیر سے بیعت ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ میرے والد مرحوم جو کہ بہت شفیق طبیعت کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ انسان سفر کرتے ہوئے کبھی بھی بور نہیں ہوتا۔

گرمیوں کے دن تھے ہمیں بھی شوق چڑھا کہ ہم بھی بیعت کا شرف حاصل کر لیں۔ میں نے اور میری بڑی بہن نے ابو جی کے ساتھ بیعت ہونے جانے کا پروگرام بنایا۔ ہمارے امی ابو کے جو پیر ہیں وہ "جناب پیر مہر علی شاہ" (گولڑہ شریف) والے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس وقت گدی نشین ان کے صاحبزادے پیر نصیرالدین صاحب تھے۔ خیر ہم بھی صبح اللہ کا نام لے کر چکوال سے راولپنڈی جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ بس کا ڈرائیور کوئی انتہا کا کنجوس انسان تھا۔ بس کی سیٹیں مسافروں سے پوری ہو چکی تھیں پھر بھی جہاں کسی کو کھڑے ہوئے دیکھتا "ہارن" بجانا شروع کر دیتا۔ کچھ تو بھری ہوئی بس کو دیکھ کر ہاتھ جھاڑ لیتے لیکن کچھ لوگ بس میں اپنی حاضری دینا ضروری سمجھتے۔

سونیا ارم

خیر جب بس میں کھڑے ہونے کے لیے بھی جگہ نہ بچی تو ڈرائیور کے کے دل میں ٹھنڈ پڑی۔ اوپر سے سن پینسٹھ کا کوئی ناکام عاشق تھا جو سارے راستے "نصیبو" اور "عطا اللہ خان" کے پنجابی گانے چلاتا رہا۔ جنھیں سن کر ہمارا دل کرتا کہ دھاڑیں مار مار کے روئیں۔ خیر صبر کے گھونٹ پیتے "پیرودھائی" آیا تو بس رک گئی۔ کچھ لوگ بس سے اترنے لگے اور کچھ بیٹھے رہے۔ بس پھر چل پڑی اور گولڑہ موڑ پہ جا کے رک گئی۔ اب ہم بھی بس سے اتر کر رکشے میں بیٹھ گئے۔ رکشے والے نے ہمیں "گولڑہ شریف" دربار کے پاس اتارا۔ ہم پیدل چل کے دربار کے اندر گئے تو اندر ایسا لگتا پورا شہر آباد ہے۔ طرح طرح کی چیزوں کے کھانوں کے اسٹال لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ ہم نے اپنی جوتیاں جمع کروائیں اور پھر ننگے پاؤں چلتے دربار کے اندر داخل ہو گئے۔

اندر سے دربار بہت خوبصورت تھا۔ کاریگروں نے اپنی خوب مہارت دکھائی تھی۔ ہم نے سب بزرگوں کی قبر کی زیارت کی، فاتحہ خوانی کی اور باہر صحن میں آ گئے۔ دور دور سے لوگ دربار پہ اپنی منتیں مانگنے اور بیعت ہونے آئے تھے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ بڑے ہال میں فواروں کے قطار کے بیچ "قوالی" کی محفل سجائی گئی۔ ہمیں ذرا پنجابی میں کہی گئی قوالی، شاعری یا گیت وغیرہ مشکل سے ہی کوئی سمجھ میں آتے ہیں۔ بڑی کوشش کے باوجود قوالی میرے پلے نہیں پڑی۔ قوالی کو سمجھنے کی کوشش میں بھوک سے پیٹ میں چوہے بھنگڑا ڈالنے لگے اور ہم ابو جی سے! ابو جی مینوں بکھ لگی اے۔ ابو جی نے فوراً ہمارا ہاتھ پکڑا قوالی کو چھوڑا جسے بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ لنگر خانے کی طرف چل پڑے۔

سونیا ارم

وہاں لنگر شروع ہو چکا تھا۔ ابو جی نے ہمیں عورتوں کی سائیڈ جانے کو بولا اور خود باہر کھڑے ہو گئے۔ وہاں دو خواتین کو ایک پیالہ سالن کا مل رہا تھا۔ ہم دونوں بہنوں کو بھی ایک پیالہ ملا۔ بھوک بھی خوب لگی تھی اور لنگر میں قدرتی ذائقہ بھی بہت ہوتا ہے۔ ہم کھانا کھانے لگے۔ہمارے ساتھ دو اماں جی جن کو بھی ایک پیالہ سالن ملا تھا۔ ایک اماں تو خاموشی سے کھا رہی تھی جبکہ دوسری اماں کبھی اسے کہتی تھوڑا تھوڑا کھاؤ نا کبھی کہتی بوٹی کیوں کھائی ہے۔ ہمیں اماں پہ بڑا غصہ آیا اور پھر ویٹر سے ہم نے اور سالن لے کر اماں کو دے دیا۔ اماں ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگی جبکہ دوسری اماں نے ہمیں گھوری سے نوازا۔ بدلے میں میری بہن تو چلی گئی جبکہ ہم انہیں ایک پیاری سی الوداعی مسکراہٹ دے کر آ گئے۔

اب ابو جی ہمیں پیر صاحب کے آستانے پہ بیعت ہونے کے لیے لے کر آئے جہاں ہم نے ان کے خوبصورت گھوڑے بھی دیکھے۔ پھر ہمیں ایک کمرے میں بٹھایا گیا جہاں ان کے چچا جان سے لوگ بیعت ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد پیر صاحب کی آمد کی اطلاع ملی تو ہم ایک ہال نما کمرے میں چلے گئے جہاں ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں تھیں۔ پیر صاحب کو کرسی پہ بٹھایا گیا۔لوگ ان کے ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

کچھ لوگ ان کی جھولی میں پیسے ڈال رہے تھے۔ ہم نے ایک بات نوٹ کی جو پیسے دے رہے تھے ان کو پیار کی تھپکی مل رہی تھی اور جو نہیں دے رہے تھے انہیں پیچھے دھکیلا جا رہا تھا۔ ہم نے اپنی بہن کے کان میں بولا "یہ تو پیسوں والی سرکار ہے" اس نے ہمیں کہنی ماری کہ چپ کرو پیر صاحب سن لیں گے۔

سونیا ارم

خیر پیر صاحب کا دوپٹہ عورتوں کی طرف پھینکا گیا کہ اسے سب پکڑ لیں جسے ایک طرف سے پیر صاحب نے پکڑا ہوا تھا، ہم نے بھی دوپٹہ پکڑ کر بیعت کی سعادت حاصل کی اور باہر کی راہ لی۔

بازار سے ہم نے چوڑیاں، چھلے اور انگوٹھیاں بھی لیں۔ راستے میں گھر والوں کے لیے ابو نے مٹھائی لی اور رکشے کا انتظار کرنے لگے۔ گرمی بہت زیادہ تھی۔ دھوپ میں کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر ہم پیدل چل پڑے۔ پیاس کی شدت سے گلا خشک ہونے لگا۔ ہم نے ایک ٹیلر ماسٹر کی دکان سے پانی پیا اتنے میں رکشہ بھی آ گیا۔ رکشے میں سوار ہو کر "پیر ودھائی" پہنچے تو آگے بس جانے کو تیار کھڑی تھی، جیسے ہی ہم سوار ہوئے بس چل پڑی۔ شام کا سفر بہت خوبصورت تھا۔

گھر آ کر سب کو اپنے سفر کی روداد سنا کر ہنساتے رہے۔ آج بھی کبھی بچوں کو کھانے پہ لڑتے دیکھتی ہوں تو مجھے وہ دونوں "اماں جی" یاد آ جاتی ہیں۔ ابو جی کے ساتھ یہ میرا یادگار سفر تھا۔ میرے ابو جی اپنے اگلے سفر پہ روانہ ہو گئے۔ دعا ہے اللہ پاک ان کی اگلی منزلیں آسان فرمائے۔ آمین! ثمہ آمین!

رمضان میں کینٹین

نسیم الاسلام

یوں تو عام دنوں میں کینٹین پہ بہت رش ہوتا ہے، بلکہ بہت سوں کو تو بیٹھنے کے لیے کرسیاں دستیاب نہیں ہوتیں مگر کل جب ہم کینٹین پر گئے تو ایسی ویرانی دیکھائی دی، جسے الفاظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ہاں! کچھ افراد وہاں موجود تھے جو نہ ہونے کے برابر تھے۔ پر ہم سبھی دوست وہاں مل بیٹھے اور باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن وہاں بیٹھ کر عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اس لیے کوئی بھی کھانے پینے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ وہ شخص جو روزانہ کینٹین پر چلتے، پھرتے اور حتیٰ کہ بھاگتے ہوئے لڑکوں یا لڑکیوں کے لیے کھانا پیش کرتا تھا آج بجھا سا چہرہ لیے کھڑا نظر آیا اور یہ دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی اسے کچھ لانے کا اشارہ کرے اور وہ اپنا فرض پورا کرے مگر ایسا کوئی نہ تھا جو اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ ہاں! میرے ساتھ بیٹھنے والے ایسی شائستہ باتوں میں مشغول تھے جنہیں میں بغیر سنے نہ رہ سکا۔ ان میں سے ایک لڑکا جو ہم سب میں بڑا تھا بلکہ فہم و ادراک میں بھی وسعت رکھتا تھا اس کی میٹھی باتیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ اس نے بہت سی باتیں بتائیں بھی اور سمجھائیں بھی مگر جو بات مجھے سب سے اچھی لگی وہ یہ تھی کہ: "انسان وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔" اس بات کو میں نے اپنے دماغی خانے میں لپیٹ کر رکھ لیا تھا جو اب آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ یوں کچھ دیر کی بیٹھک اختتام کو پہنچی اور ہم اٹھ کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو چل دیے۔

رمضان کا اہتمام

مریم بشیر احمد

اللہ تعالیٰ اپنی شانِ قدرت کے ساتھ جو چاہیں کر سکتا ہیں۔
قران پاک میں ارشاد ہے: "اور جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کن فرما دیتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے"۔
اللہ تعالیٰ نے یہ تمام جہانوں کو چھ دن میں بنایا ہے۔ ارشادِ باری ہے: "آسمانوں اور زمین کے خالق نے دن اور رات کو پیدا کیا"۔
نظامِ کائنات کو چلانے کے لیے پروردگار نے وقت کو تخلیق کیا۔ چھ دن اور چھ راتوں میں۔ زمین اور آسمان کو پیدا فرما کر اپنے دعوی ربوبیت کا تعین اور دنیا پر عیاں فرما دیا۔ ارشاد باری ہے: "بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔
وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے جو چاہے جب چاہے کام لے سکتا ہے۔
کون ہے جو اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکے۔

وہی تو ہے جبار و قہار، رحیم و کریم ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ۔ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے انبیاء کرام معبوث فرمائے، جنہوں نے انسانوں کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کو واضع کیا۔ آخر میں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے جنہوں نے انسانیت کی ہدایت کے لیے زندگی گزارنے کے طریقے بتائے۔
قرآن پاک میں ارشاد ہے: "درحقیقت تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔"
اسی لیے انسانیت کو جہاں کوئی مشکل در پیش آئے اسے ہدایت و رہنمائی آپ کے در سے ہی ملتی ہے۔
ایک اور جگہ ارشاد ہے: "اے نبی ﷺ آپ سے سال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ (مہینوں، گھڑیوں، وقت اوقات)"

رمضان کا اہتمام

مریم بشیر احمد

اللہ نے فرمایا: قل ھو عنداللہ
"کہہ دیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں"۔
دن رات گھڑی، مہینے، سال سب اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ صرف انسانوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن کچھ دنوں کی اہمیت ہی الگ ہے باقی دنوں سے۔
ارشاد باری ہے: فضلنا بعضھم علی بعض
"ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی"۔
حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ "شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے"۔
ارشادِ باری ہے۔ ترجمہ: "اور روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا (بدلہ) ہوں"۔
اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے لیے یوں بیان کیا: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر (فرض کیے گئے) تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔

اس آیت کریمہ نے روزے کی فرضیت کے ساتھ ساتھ روزے کا مدعا و مقصد بھی بیان کر دیا ہے۔ دیکھیں، روزہ صرف بھوکا، وقت گزاری، دکھلاوا نہیں ہے بلکہ روزہ تو تزکیہ نفس، پرہیزگاری، گناہوں کی معافی، خوش نصیبی اور اللہ کا مل جانا ہے۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس ماہِ مقدس مہینے کا ہر حوالے سے اہتمام و احترام اور اکرام کرنا چاہیے۔ اس ماہ کے اہتمام کے لیے ہمیں شعبان سے ہی استقبالیہ روزوں کا اہتمام کر لینا چاہیے تاکہ اس ماہِ مقدس رمضان کا بھرپور فائدا اٹھایا جائے اور اپنی روح میں کشیدگی پیدا کی جائے۔ خود کو گناہوں سے بچا کر نیکیوں کی طرف راغب کیا جائے اور اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

رمضان کا اہتمام

مریم بشیر احمد

لہٰذا ماہِ رمضان کو مہمان سمجھ کر اس کا خوب لطف اٹھائیں۔ سحری، افطاری، تہجد، نماز، نوافل، تراویح اور تلاوتِ قرآن پاک، ان سب کا خیال رکھا جائے۔ اللہ کے حضور پیش ہو کر گناہوں کی معافی طلب کی جائے تاکہ روح کو قلبی سکون نصیب ہو۔ دیکھیں، ماہِ رمضان کے تین عشرے ہوتے ہیں رحمت، مغفرت، نجات۔ جو پورے سال میں ایسے مہینے نہیں نصیب ہوتے۔ اس کی بہاروں سے روح بدن کو پاک کیا جائے۔ اس مہمان مہینے کی دلجوئی آغاز سے اختتام کیا جائے۔ کوئی بھی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اللہ پاک ناراض ہو۔ یہ اللہ کو پانے کا مہینہ ہے اور اللہ سے اپنا قرب نصیبی کا۔ لہٰذا زندگی کے ہر کام کو ایک طرف رکھ دیں اس مبارک مہینے میں اور خود اللہ کو قریب کر لے۔

جس نے اللہ کو پا لیا اس دنیا و آخرت کو پا لیا، جس اللہ کو نہ اپنا پایا اس نے دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کو سمیٹ لیا۔ اس لیے ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک ہمیں رمضان المبارک کا اہتمام کرنے اور اس ثابت قدمی کی ہمت و استقامت عطا کریں۔ آمین! یا رب العالمین!

حضرت حسنؓ بن علی المرتضیٰؓ

سیدہ فاطمہ طارق

حضرت حسنؓ اپنے والد حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے۔ آپؓ 15 رمضان المبارک 3 ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا نام حسنؓ اور کنیت ابو محمد تھی، والدہ کا نام فاطمۃ الزہراؓ ہے اور نواسہ رسول ﷺ ہیں۔ آپؓ شکل و صورت میں آپ ﷺ سے کافی مشابہت رکھتے تھے۔ آپؓ نے آٹھ برس تک دامنِ رسالت ﷺ میں پرورش پائی۔

آپ ﷺ کو حضرت حسنؓ سے بے حد محبت تھی۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "حسنؓ اور حسینؓ میری دنیا کے پھول ہیں"۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
"حسنؓ اور حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد قیس بن سعدؓ نے سب سے پہلے حضرت حسنؓ کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اس کے بعد اہلِ عراق نے بیعت کر لی اس طرح حضرت حسنؓ رمضان 40 ہجری میں خلیفہ ہوئے۔

امیر معاویہؓ گزشتہ تقریباً 26 برس سے شام کی امارت پر فائز تھے اور مصر پر بھی ان کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد میں انہوں نے قصاص عثمانؓ کو بنیاد بنا کر حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ صفین کا معرکہ اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

حضرت حسنؓ طبعاً بڑے نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے۔ آپؓ کو جنگ و جدال سے بھی کوئی رغبت نہ تھی۔ اسی لیے انہوں نے خلافت سے دستبرداری اور امیر معاویہؓ سے مصالحت کا فیصلہ کر لیا کیونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمان باہمی خانہ جنگی کا شکار ہو رہے تھے۔

سیدہ فاطمہ طارق

حضرت حسنؓ اسی بات کے پیشِ نظر اور امت کو مزید باہمی کشت و خون سے بچانے کے لیے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

حضرت حسنؓ 6 ماہ کی مدت تک خلافت پر فائز رہے اور خلافت سے دستبرداری کے بعد کوفہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور مدینہ میں 50 ہجری میں انتقال ہوا۔

حضرت حسنؓ اخلاق میں خلقِ رسول ﷺ کا نمونہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے۔ اس لیے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا۔ آپ نے امت کو باہمی کشت و خون سے بچانے کے لیے خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دستبردار ہو کر استغنا و بے نیازی کا جو بلند نمونہ پیش کیا تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مقیتہ وسیم

وہ عرب کی سب سے مالدار خاتون تھیں۔ ان کی شاہی میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ مکہ کے سب سے حسین نوجوان تھے. ان کی شرافت، ان کی امانت، ان کی خوبصورت عادات و اطوار کا پورے مکہ میں چرچا تھا، یہ چرچا اس عرب کی ملکہ تک پہنچ گیا۔
اس نے انھیں اپنے تجارتی سفر میں پہلے سے بڑھ کر ہونے والے منافع نے اس ملکہ کو بتا دیا کہ وہ عام نوجوان نہیں، اس میں کچھ خاص ہے۔ ان کی طرف نکاح کا پیغام بھجوایا گیا اور پھر عرب کی ملکہ اور مکہ کے سب سے خوبصورت نوجوان کی زندگی کا سفر شروع ہوا۔ اب نبوت ملتی ہے اور زندگی آپ ﷺ پر تنگ کر دی جاتی ہے۔ وہ ملکہ جس نے بہت شاہانہ زندگی گزاری ہوتی ہے۔ وہ ان کے ساتھ شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں بھی رہتی ہے۔

یہ محبت اور وفا کا جانے کونسا روپ تھا جس میں وہ ایک لمحہ بھی کچھ جتاتی نہیں۔ ہر آن ان کا حوصلہ بڑھاتی ہے اور پھر وہ جدائی کا لمحہ آتا ہے ان کے درمیان اور یہ خدیجہؓ کی وفا ہی تھی کہ ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان الفاظ میں قدردانی کی۔
"خدیجہؓ مجھ پر تب ایمان لائی جب سب نے مجھے جھٹلایا اس نے تب میری مدد کی جب سب نے انکار کیا"۔ اور یہ خدیجہؓ سے محبت ہی تھی کہ ایک بار حضرت ہالہ (خدیجہؓ کی بہن) کی آواز سن کے آپ ﷺ بے اختیار اٹھے گویا انھیں لگا کہ خدیجہ آئی ہوں۔ یہ محبتیں تھیں، وفائیں تھیں، اعلیٰ وارفع۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "مجھے کسی عورت پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کی مجھ سے شادی سے تین سال پہلے وفات پا چکی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ

مقیتہ وسیم

(رشک کی وجہ یہ تھی) کہ آنحضرت ﷺ کو میں کثرت سے ان کا ذکر کرتے سنتی تھی اور آنحضرت ﷺ کو ان کے رب نے حکم دیا تھا کہ حضرت خدیجہؓ کو جنت میں ایک خولدار موتیوں کے گھر کی خوشخبری سنادیں۔ آنحضرت ﷺ کبھی بکری ذبح کرتے پھر اس میں سے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو حصہ بھیجتے تھے"۔ (صحیح بخاری 6004 کتاب اخلاق کے بیان میں)

نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں سب سے پہلے نماز ادا فرمانے والی، خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی، اپنے مقدس شوہر کی ہر خوشی و غم میں شریک رہنے والی اور اللہ کی طرف سے سلام پانے والی مومنوں کی ماں، اسلام کی خاتونِ اول حضرت خدیجہؓ کا شمار ان چار خواتین میں ہوتا ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جنتی عورتوں میں سب سے افضل قرار دیا۔

جب آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے دینِ حق کی دعوت کا آغاز فرمایا تو پوری قوم آپ ﷺ کی دشمن بن کر کھڑی ہو گئی اور ہر ممکن طریقے سے آپ ﷺ کو تنگ کرنا ایک عرصے تک ان بد نصیبوں کا محبوب ترین مشغلہ بن گیا لیکن اس کٹھن اور دشوار دور میں بھی حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپ ﷺ کی غم خوار و غم گسار بلکہ پوری طرح شریکِ حال بھی رہیں۔

وہ نیک بخت خاتون جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنا تن، من، دھن اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر نچھاور فرماتے ہوئے آپ ﷺ کی رفاقت میں پچیس سال گزارے ان کے متعلق صحیح بخاری میں حدیثِ پاک ہے کہ: "ایک دفعہ حضرت جبرائیلؑ حضور پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یارسول ﷺ! یہ خدیجہؓ آپ ﷺ کے پاس سالن یا کھانے کا ایک برتن لا رہی ہیں۔

مقیتہ وسیم

جب وہ لے کر آئیں تو ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہہ دیں اور جنت میں انہیں موتی کے ایک محل کی بشارت دے دیں جس میں نہ شور ہو گا، نہ تکلیف ہو گی"۔

ام المومنین کی رفاقت کی تمام مدت میں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی اور حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولادیں بھی انہیں کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوئیں۔

مسندِ احمد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: "اللہ نے مجھے خدیجہؓ کے بدلے میں اس سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی، وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگ کفر کر رہے تھے، میری اس وقت تصدیق کی جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے اور اپنے مال سے میری ہمدردی اس وقت کی جب کہ لوگوں نے مجھے اس سے محروم رکھا"۔

آپؓ کے انتقال پر حضورِ اکرم ﷺ نے خود قبرِ مبارک میں اتر کر اپنی سب سے بڑی غمگسار کو اپنے ہاتھوں سے دفن فرمایا اور آپؓ کی رحلت کی نسبت سے دس نبوی کو عام الحزن کہا گیا۔

اللہ کریم اماں خدیجہؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی نسبت سے ہمارے ساتھ بھی آسانی والا معاملہ عطا فرما کر جنت الفردوس میں ان کا خاص قرب عطا فرمائے۔ آمین! یارب العلمین!

ہائے یہ ڈاکو، یہ لٹیرے

فائزہ شہزاد

کافی عرصہ پہلے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی بھی بہت سی اقسام ہیں اور ان میں سرِ فہرست "رشتہ دار" ہیں مگر یہ بات دل کو نہ لگی اور یہی سوچا کہ "لو بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ رشتہ دار بھلا کیسے ڈاکو، لٹیرے ہو سکتے ہیں؟" مگر جب پالا پڑا تو بات واضح کیا بلکہ روشن ہو گئی کہ واقعی یہ تو لوٹنے میں بہت ماہر ہیں اور یہ تو بڑے بڑے ڈاکوؤں، لٹیروں بلکہ جیب کتروں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ رضیہ خالہ کے گھر ہر مہینے کوئی نہ کوئی فنکشن ہوتا ہے اور اس فنکشن کی آڑ میں مقصد (میری سوچ کے مطابق) صرف دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ہی ڈالنا ہوتا ہے اور ہم ٹھہرے تنخواہ دار بندے جن کا اپنا گزارا مہینے کے آخری دنوں میں بس اللہ ہی کرتا ہے اور اب پھر مہینے کے آخری دن ہیں اور رضیہ خالہ کے گھر سے آیا کارڈ میرا دل جلا رہا ہے۔ پوتے کے عقیقے کا کارڈ ہے، ابھی پچھلے مہینے شوہر کی "ترقی" ہوئی تھی تو اس کی دعوت، اس سے پچھلے مہینے "عمرہ" کر کے آئے تو اس کے کارڈ ایسے بانٹے جیسے کوئی ریوڑیاں بانٹتا ہے (بندہ پوچھے عمرہ یا حج آپ کا ذاتی فعل ہے، ایک عبادت ہے، آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے مگر سمجھ نہیں آتی کہ زبردستی سارے خاندان اور دوست احباب کو بلوا کر مبارکباد وصول کرنے کا کون سا طریقہ ہے۔ کسی نے نہ بھی جانا ہو تو مجبوری میں جانا پڑتا ہے کہ پھر ناراضگیاں اور گلے شکوے ہو جاتے ہیں اب یہ جیب پر زبردستی ڈاکہ ہی ہوا ناں) میں تب لفافے میں پانچ سو ڈال کر لے گئی مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ پوتے کی "بِسم اللہ" اور نواسی کی "آمین" بھی ہے۔

فائزہ شہزاد

میں تو سخت پریشان، فوراً پرس ٹٹولا تو کسی کونے کھدرے سے پانچ سو کا نوٹ (جو کسی بچت کے تحت رکھا ہو گا) نکل آیا جسے نعتیں پڑھنے والی آنٹی کے پاس لے کر گئی (اب یہ بھی خوب رواج بن گیا ہے شادی پر DJ اور عمرہ، حج کے فنکشن پر نعت خواں بلائے جاتے ہیں) ان آنٹی سے سو سو کے نوٹ لیے، دو دو سو بچوں کو دیا اور سو آنٹی نعت خواں کو اور شکر کیا کہ عزت رہ گئی۔ پھر اسی طرح شوہر نامدار کی ترقی ہوئی تو تب بھی سارے خاندان کو اکٹھا کر لیا اور کہا کہ بھئی زندگی کا کیا بھروسا؟ آج ہیں، کل نہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں منا لیتے ہیں، بہن بھائی مل بیٹھتے ہیں، ایک دوجے کو دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں، پتا نہیں کل ہوں نہ ہوں (دل تو چاہا کہ کہوں تو ٹھیک ہے، بھائی، بہنوں کو ہی بلاتی ناں پوری بارات کو تو نہ بلاتی اور اگر بلا ہی لیا تو پھر لفافے کیوں لیتی ہیں؟

یہ لفافہ ہی تو دکھتا ہے ورنہ دعوت میں جانا کسے پسند نہیں) نجانے ان سب کو مجھ سے کیا دشمنی ہے کہ ہر تقریب مہینے کے آخر میں، خیر! اگر شروع کے دنوں میں بھی کر لیں تو یہ ہی ہونا ہے، تنخواہ کوئی الاسٹک تھوڑی ناں جس کو اپنی مرضی سے کھینچتے جاؤ، کھینچتے جاؤ۔ مارے بندھے کیا کرتی بازار گئی اور خالو کے لیے شلوار قمیص کا کپڑا لیا (میں نے بھی خوب بھڑاس نکالی کہ اتوار بازار سے کٹ پیس میں سستا سا سوٹ لیا اور ایک مشہور برانڈ کے لفافے میں پیک کر دیا۔

بھانجی بھی تو آخر رضیہ خالہ کی ہی ہوں ناں) بہت اکڑی ہوئی۔

فائزہ شہزاد

بڑی شان سے میں وہاں پہنچی (اس دن زندگی میں پہلی بار نند اور دیورانی کو بھی ساتھ لے لیا وہ دونوں الگ پریشان کہ آج اتنی عزت افزائی؟ بھابھی کو بخار تو نہیں ہو گیا) ابھی وہاں ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ معلوم ہوا کہ بڑی بہو کی گود بھرائی کی بھی رسم ہے (لو بندہ پوچھے دسواں بچہ ہے اس کا ہمیں کس بات کی سزا ہے) میرا تو میٹر اتنا شارٹ ہوا، سن کر کہ دل چاہا بھاگ نکلوں یہاں سے مگر یہ بھی اپنی ناک کٹوانے کے مترادف تھا۔ دل کو تسلی دی کہ واہ جمو! آج تُو نے بہت اچھا کام کیا۔ میاں جی سے برانڈڈ سوٹ کے پیسے لے کر اتوار بازار سے سوٹ خریدا اور کافی پیسے بچا لیے تھے۔ سو ان میں سے ہی بہو کو بھی ٹرخا دیا اور اب میرے سامنے پھر کارڈ پڑا میرا منہ چڑا رہا ہے۔

میرا دل جلا رہا ہے اور میں یہ ہی سوچ رہی ہوں کہ ان سے بڑا کوئی لٹیرا ہو ہی نہیں سکتا، لگتا ہے ایسے ہی سارا سال ہماری جیبوں پر ڈاکے ڈال ڈال کر اپنے گھر بنا لیتے ہیں (ان کی مبارکبادیں الگ ہوتی ہیں) اور ایک ہم ہیں کہ ابھی تک اپنا پلاٹ بھی نہیں لے سکے، لیکن اب سوچ رہی ہوں کہ اگلے مہینے میں بھی اپنی شادی کی سالگرہ اور بیٹی کی آمین رکھ لیتی ہوں، اس سے اگلے مہینے ساس، سسر کی شادی اور سالگرہ اور پھر ایسے ہی ہر مہینے کوئی نہ کوئی تقریب، شاید سال کے آخر تک میرا بھی گھر بن ہی جائے، آپ کا کیا خیال ہے؟

یاسمین ناز

مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں نور۔ لائبہ نے اسے آواز دی۔ شناسا آواز سن کے وہ پیچھے مڑی تو سامنے لائبہ کو پایا۔ اس نے حیرت اور خوشی سے دوبارہ پوچھا، سچ کہہ رہی ہیں آپ میں آپ کو اچھی لگتی ہوں۔ اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ ہاں! نور بھی اس کے نقابی چہرے کو پہچان نہ پائی کہ یہ اس نے طنز کیا ہے یا واقعی میں اسے اچھی لگتی ہوں۔ کچھ دیر رکنے کے لائبہ کلاس لینے گئی اور اسے کہا، میں آتی ہوں۔ نور اپنی خوشامد کے خیالوں میں گم بہت کچھ سوچے جا رہی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں اچھی دوستی ہو گئی۔ نور دل کی نازک اور مزاج میں نرم تھی۔ اسے لوگوں کی کہی باتیں ہمیشہ سچی لگتی۔ جبکہ لائبہ مزاج میں بہت مختلف تھی نور سے۔ اک دن وہ کالج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں تو اسی دوراں باتوں باتوں میں نور نے اس کے دوست کے بارے میں پوچھ لیا۔

اس نے ناگوار سا منہ بناتے ہوئے کہا کہ منافق اور جھوٹے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کیوں؟ بھئی! نور نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ اسے یہ الفاظ سن کے خود پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ ہاں! میں سچ کہہ رہی ہوں نور۔ وہ ایسی منافق جھوٹی نجانے کیا کیا وہ بولے جا رہی تھے اور نور کو اس کے الفاظ تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز لگے۔ اس نے اسے چپ کروانے اور سمجھانے کی کوشش کی کیونکہ وہ اس کی دوست کے بارے اتنا زیادہ ہی جانتی تھی جتنا کہ وہ خود لیکن اس نے کہا، مجھے پتا ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں اسے۔ تمھیں کیا پتا ہے؟ جب نور نے اس کی طرفداری کی تو وہی لائبہ جو کچھ وقت پہلے اسے کہہ رہی تھی کہ "آپ مجھے اچھی لگتی ہیں نور"۔ اب خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور بہت وقت تک اسے برا بھلا کہتی رہی۔

منافقانہ دوستی سے بچیں

یاسمین ناز

نور یہ سب دیکھ اور سن رہی تھی اور اسے چیخ چیخ کر رونے کو دل کر رہا تھا مگر وہ رو نہیں سکتی تھی۔

اسے اپنی بے بسی اور اپنی نادانی پہ رونا آ رہا تھا کہ لوگ کیسے اتنے بڑے جھوٹ بول سکتے ہیں۔

اس نے پھر کہا، "آپ کے ساتھ سالوں وقت گزارنے والے کبھی بھی آپ کے نہیں ہو سکتے۔ اس منافقانہ دنیا میں جب آپ سے کوئی کہے کہ آپ اچھے ہیں اسے کہیں کہ نہیں میں برا ہوں۔

اگر آپ اپنے ساتھ والے شخص کی وفا کو جاننا چاہتے ہیں تو اس کے ساتھ برا کریں اس کی مرضی کے مخالف کریں اس پر دوسرے کا ردِ عمل آپ کو سب بتا دے گا کہ آپ اس کے ہاں کون سا مقام رکھتے ہیں۔

افتخار یونس

تدریسی عمل کے دوران بھائی. بکھ میں تقریباً 2 سال، بن بہک مڈل سکول میں 7 سال اور 17 سال گورنمنٹ بوائز ہائیر سکینڈری سکول سنگولہ (جو کہ اس وقت ہائی سکول ہوا کرتا تھا) میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتا رہا ہوں۔ بن بہک مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر محمد رشید صاحب اور محمد امین صاحب کے ساتھ میری بہت ہی خوشگوار یادیں وابستہ ہیں اور ان کے ساتھ محبت اور احترام کا رشتہ اب بھی اسی طرح قائم ہے۔ سنگولہ میں استاد محمد خان صاحب اور استاد خلیل صاحب کے ساتھ میرا بہت ہی اچھا وقت گزرا۔ خلیل صاحب اور محمد خان صاحب سنگولہ کے استادوں کے استاد رہے ہیں اور بلا شبہ وہ اپنے شعبے میں کمال مہارت رکھتے تھے۔

ہم نے علم ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے طلباء کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم سے بھی روشناس کرایا۔

موجودہ پرنسپل محمد ریاض خان صاحب ماہر مضمون رشید حسرت صاحب، جاوید عزیز صاحب اور منصور صاحب کے علاوہ میرے بہت سے شاگرد رہ چکے ہیں ان کے بچوں کو بھی پڑھانے کا اعزاز مجھے حاصل ہے۔ سنگولہ میں تعلیم کے حوالہ سے میری کی گئی کوششیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔

سنگولہ میں تعلیم، سیاسی اور سماجی کاموں کے حوالہ سے اللہ کا شکر ہے کہ میں پیش پیش ہوتا تھا۔

میٹرک کے امتحان کا سینٹر نہ ہونے کی وجہ سے طلباء اور طالبات کو باغ یا راولاکوٹ جا کر امتحان دینا پڑتا تھا، سنگولہ میں امتحانی سینٹر کے قیام کے اور لڑکیوں کے پرائمری سکول کو مڈل اور بعد میں ہائی سکول منظور کروانے میں جو وفد تشکیل دیے جاتے تھے ان میں میں بھی شامل ہوتا تھا اور اس میں میرا اہم رول ہوا کرتا تھا۔

افتخار یونس

اس وقت بچیوں کی تعلیم کی طرف اتنی توجہ نہیں دی جاتی تھی گھر گھر جا کر لوگوں کو بچیوں کو سکول بیجھنے کے لیے سمجھاتے تھے۔ سنگولہ میں تعلیم کے فروغ کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔

میں نے جماعت اسلامی کی باقاعدہ ممبر شپ1991\92 ء میں لی اور 1995 ء میں جماعت اسلامی کا رکن بن گیا۔ اس وقت رکنیت کا معیار بہت سخت ہوا کرتا تھا اس سے پہلے میں تنظیم اساتذہ کا رکن تھا۔ جماعت اسلامی کا رکن بننے کے بعد میں اپنے گھر میں اجتماعات اور درسِ قرآن کے پروگرامات کرایا کرتا تھا۔ آزاد کشمیر کی مرکزی قیادت محترم عبدالرشید ترابی صاحب، سردار اعجاز افضل صاحب اور ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی اپنے گھر میں متعدد بار میزبانی کرنے کا شرف حاصل ہے۔

ان تینوں کے ساتھ میرا روحانی سا تعلق ہے۔ جب میں کوئی پروگرام رکھتا یہ تینوں اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر حاضر ہو جاتے۔ یہ تینوں سابق امراء آج بھی فون کر کے میری صحت کا پوچھتے رہتے اور دعا گو رہتے ہیں۔1996 ء کے بعد اعجاز صاحب نے میرے گھر کو ہمیشہ اپنا دوسرا گھر سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی چارے کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آمین!

جماعت کا کام کرنے میں لوگوں کی طرف سے مشکلات کم نہ ہوئی۔ انہوں نے مجھے "وہابی" کے نام سے مشہور کر دیا کہ یہ دربار، ختم شریف اور مزارات کو نہیں مانتا۔ طرح طرح کے القابات سے نوازا جاتا تاکہ یہ جماعت چھوڑ دے لیکن الحمدللہ میرا جماعت کے ساتھ تعلق ہر الزام اور رکاوٹ کے بعد اور مضبوط ہوتا گیا۔

افتخار یونس

میری دعوت و تبلیغ دین کے سلسلے میں ساری تگ و دو صرف اس لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو اور اس کا دین سر بلند ہو، اس لیے نہیں کہ میں اس راہ میں کوئی اہمیت یا جاہ و منصب حاصل کروں یا اہلِ دنیا کی تعریف و توصیف کا حقدار ٹھہروں۔ دین کے لیے خلوص کے ساتھ کام کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ دلوں میں فخر و غرور نہ آنے پائے۔ جو لوگ واقعی اخلاص کے ساتھ اپنے رب کے دین کی سر بلندی کے لیے کام کرتے ہیں وہ کبھی بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ انہیں بہت اہمیت دی جائے یا ان کی تعریف کے گن گائے جائیں۔ اپنے عظیم مقصد کے پیشِ نظر اپنے اعمال انہیں اتنے معمولی معلوم ہوتے ہیں کہ ان کا عام میلان خاکساری اور انکسار کی طرف ہوتا ہے، نہ کہ فخر و غرور اور خود ستائی کی طرف۔

ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ان کی تعریف کی۔ آپؒ نے فرمایا: "مجھے جو حال اپنے نفس کا معلوم ہے اگر تمھیں معلوم ہوتا تو تم میرے چہرے کی طرف دیکھتے بھی نہ"۔ سنگولہ میں میری تعلیمی حوالہ سے کی گئی کوششوں اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن جماعت اسلامی کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے لوگ مجھ سے ناراض ہوتے تھے اور جان بوجھ کر ہر طرح کا الزام لگاتے تھے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں درسِ قرآن، اجتماعات اور مسجد کے منبر سے کافی حد تک اس تاثر کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ جماعت اسلامی انبیاء، مزارات، درباروں اور صحابہ کو برا بھلا کہتی ہے اور نہ ہی یہ کوئی الگ فرقہ ہے کیونکہ میں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں سے محبت سے پیش آتا اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتا تھا۔

افتخار یونس

جماعتی وابستگی کے دوران میرے ساتھ کئی ایسے واقعات بھی پیش آئے جب مجھے رخصت کا راستہ چھوڑ کر عزیمت کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ جن میں سے 2 یا 3 واقعات آپ کو بتانا چاہوں گا۔ ایک بار مجھے اپنے بچے کی سکول میں تقرری کے لیے میجر ایوب صاحب کے پاس جانا ہوا تو انہوں نے کہا کہ آپ جماعت اسلامی چھوڑ دیں، میں ابھی آپ کے بیٹے کی تقرری کراتا ہوں۔ بہت بڑی آزمائش میں پڑ گیا تھا، ایک طرف بیٹے کی نوکری اور دوسری طرف جماعت اسلامی جس نے مجھے زندگی کا مقصد بتایا تھا اور ایک مشن دیا تھا۔ میں نے میجر صاحب سے کہا کہ اگر میرے بیٹے کی روزی لکھی ہے تو لگ جائے گی، نہیں تو کدھر اور کام مل جائے گا لیکن جماعت اسلامی کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔

ان کے دفتر سے باہر آنے پر میرے چچا نمبر دار ایوب صاحب نے مجھے بہت ٹوکا کہ ان کی بات مان لیتا تاکہ بیٹے کی تقرری ہو جاتی، وہ میرے بہت ہمدرد تھے۔

دوسرا واقعہ 1984/85ء میں میرے نام کا ایک خط آیا جو دوپہر 2 بجے ملا جس میں لکھا تھا کہ آج 9 بجے رات الاکرام بلڈنگ میں تنظیم اساتذہ کا اجتماع ہے جس میں آپ کی شرکت لازمی ہے۔ اس وقت میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں راولپنڈی کا سفر کر سکوں لیکن نظم کی اطاعت کا عہد کیا تھا اس لیے اجتماع میں شرکت کرنا ضروری تھا۔ اس وقت دوکاندار چچا رحمت حسین سے ادھار لے کر راولپنڈی کی طرف رخت سفر باندھ لیا۔ سنگولہ سے سواری نہ ہونے کی وجہ سے راولاکوٹ تک پیدل جانا پڑا اور رات کو میں الاکرام بلڈنگ راولپنڈی میں اجتماع میں پہنچ گیا۔

افتخار یونس

تیسر اواقعہ یہ ہے کہ میں سکول میں پڑھا رہا تھا کلاس جاری تھی کہ مجھے اطلاع ملی کہ آج 2 بجے دن دبستان راولاکوٹ میں تنظیم اساتذہ کا پروگرام ہے۔ شدید بارش کی وجہ سے باہر نکلنا محال تھا، نالوں میں طغیانی آگئی تھی۔ میں نے چھٹی لی اور اجتماع میں شرکت کی غرض سے روانہ ہو گیا۔ جب نالے کے پاس پہنچا تو وہاں سے گزرنا گویا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس دور میں جتنی مشکلات ہوں اجتماع سے غیر حاضر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ 2 سے 3 افراد کو نالے کے دوسری طرف جاتے دیکھ کر انہیں اشارہ کیا، وہ میرے قریب آئے، میری درخواست پر انہوں نے مجھے تھام کر نالہ پار کرادیا اور میں بروقت اجتماع میں پہنچ گیا تھا۔ میں راولپنڈی الاکرام بلڈنگ میں جاتا تھا۔ وہاں انتہائی پیار و محبت سے پیش آنے والے سید ابرار گردیزی صاحب اور محترم صغیر قمر صاحب سے ملاقات ہوئی۔

ابرار گردیزی صاحب سے ان کے والد محترم مرحوم ضیاءاللہ شاہ صاحب (ایڈیشنل سیکریٹری تعلیم) کی وجہ سے قرابت بڑھی۔ وہ میرے ساتھ بیٹھا کرتے اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا کرتے تھے۔ "مجاہد"، "جہادِ کشمیر" اور "ترجمان القرآن" کے پرانے اور نئے شمارے لا کر دیتے تھے کہ ان کو اپنے علاقے میں تقسیم کیا کریں۔ سنگولہ میں شاہد ہی کوئی ایسا گھر ہو جس میں میں نے "جہادِ کشمیر" اور "ترجمان القرآن" نہ پہنچایا ہو۔ میں ان دونوں کی محبتوں کی وجہ سے آج بھی ان کو نہیں بھولا ہوں۔ الاکرام بلڈنگ کا جب بھی کوئی نام لیتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے یہ دونوں ہنستے مسکراتے چہرے آجاتے ہیں۔

1998ء میں مجھے "جہادِ کشمیر" اور "مجاہد" رسالے کی ترسیل کے خدمات کے صلے میں ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔

عورت کا معاشرے کی تعمیر میں کردار

اریبہ مظہر

ہمارے معاشرے کی تکمیل عورت کے وجود سے ہے۔ کہتے ہیں کہ گاڑی جیسے دو پہیوں کے بغیر چل نہیں سکتی بالکل اسی طرح مرد و عورت بھی گاڑی کے دو پہیوں جیسے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو، تو وہ گاڑی اپنی منزل تک پہنچ نہیں پاتی بلکہ مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیائے فانی میں کئی شاہکار تخلیق کیے ہیں۔ ان میں سے ایک عورت اور اس کی ذات ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اسلام نے عورت کو حدود میں رہ کر آزادیِ رائے کا حق دیا ہے اور اس حد میں رہتے ، اپنے فرائض اس معاشرے کی بہتری کے لیے بخوبی نبھا سکتی ہیں۔ عورت کو تین درجے دیے گئے ہیں: ماں، بیٹی، بیوی۔ ماں کی گود انسان کی تربیت گاہ ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر یا بگاڑ میں عورت کا اہم کردار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر مائیں دین کی جانب راغب ہوں گی تو ان کی آنے والی نسلیں، انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین کی سربلندی کے لیے کام کریں گی۔ فرانس کے مشہور بادشاہ کا قول ہے: "آپ مجھے تعلیم یافتہ مائیں دیں، میں آپ کو بہترین قوم دوں گا"۔ اگر وہی مائیں مغربی روش اختیار کریں گی تو اولاد کے ذہنوں میں وہی چیز پائی جائے گی۔ عورت بظاہر نازک، کمزور مگر حقیقتاً خود میں ہی مضبوط کردار ہے جو کہ بچپن سے ہی صبر کے دامن کو اپنے سے باندھ لیتی ہے اور تالحد اس پر عمل پیرا رہتی ہے۔ اس معاشرے میں یقیناً عورت کو کچھ حقوق دیے گئے ہیں مگر کئی دفعہ ان کے بنیادی حقوق کی حق تلفی کی گئی ہے۔ ان کو ان کے جائز حقوق، جیسے تعلیم کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے اور کئی حوا کی بیٹیوں کی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جو کام عورتوں نے معاشرے کی بہتری کے لیے تاریخ میں کیے ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں، ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

معتبر کون

بینش مقبول

اچانک بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے کہ آخر ہم میں سے معتبر کون ہے؟ وہ لوگ جو کبھی کبھار اللہ کے حضور بے حد عاجزی و انکساری سے حاضر ہوتے ہیں وہ؟ یا ہم جیسے لوگ جو سارا سال عبادت کرتے ہیں، پنج گانہ نماز ادا کر کے خود کو معتبر سمجھتے ہیں۔

کوئی بچہ کلاس میں نیا آئے اور بے حد ذہین بھی ہو تو بن جاتا ہے نا کچھ دن میں استاد کا لاڈلا؟ اور پھر کیا روز سبق سنانے والا استاد کی نظروں میں تھوڑا ماند پڑ جاتا ہے؟

بس یہی، ہاں! یہی بات میری پریشانی کا سبب بنی بیٹھی ہے۔

آخر ہم میں سے معتبر کون ہے۔ وہ بچہ جو رمضان میں آتا ہے اور بڑی عاجزی سے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

اور صرف 30 دنوں میں اللہ سے 365 دن کا مانگ لیتا ہے یا وہ بچہ جو سارا سال دربار میں حاضر ہوتا ہے اور خود کو اللہ کا لاڈلا سمجھ بیٹھتا ہے؟ آخر کون ہے عاجز؟ کون ہے معتبر؟

بینش مقبول

رمضان کا آخری جمعہ تھا اور احمد بضد تھا کہ عید پر پہننے کے لیے بنایا گیا سفید کرتا اور نیا جوتا آج ہی پہنے گا جو اس ماں نے پائی پائی جوڑ کر بنایا تھا۔ آخر احمد کی ضد جیتی اور اماں نے کرتا تو اس کے حوالے کر دیا مگر جوتا جمعہ کی ادائیگی کے بعد پہننے کا وعدہ ٹھہرا۔

اس کے مسجد پہنچنے کی دیر تھی کہ ایک ہولناک آواز نے گاؤں کے سب گھر اجاڑ دیے۔ اب اماں کے پاس جوتا تو تھا مگر احمد کہیں نہیں تھا اس رمضان نے احمد کی اماں کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔

پاکستان ایک امید

آمنہ راجپوت

پاکستان میرے بزرگوں اور آبا و اجداد کی خوابوں کی سر زمین ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا تھا۔انہوں نے اپنی جان، زمین و جائیداد صرف پاکستان کے لیے وقف کر دی، پاکستان ایک آزاد اسلامی مملکت کی حیثیت سے دنیا میں ابھرا۔

پاکستان چونکہ ایک اسلامی ریاست بن کر سامنے آیا اس لیے اس کے وقار اور عزت کی حفاظت کرنا ہر پاکستانی پر فرض ہے۔

سر زمین پاکستان اس لیے بھی عزیز ہے یہ پاک و ہند کے کروڑوں مسلمانوں کی آخری امید گاہ ہے۔ پاکستان عالمِ اسلام کے لیے ایک مضبوط سہارا ہے۔ لیکن آج کا پاکستان جو قائدا عظم نے سوچا تھا بالکل بھی ایسا نہیں ہے۔ آج کا پاکستان ہر شعبے میں مشکلات کا شکار ہے۔

پاکستان اس وقت سب سے بڑی معاشی کمزوری کے مسائل سے دو چار ہے، پاکستان کے ادارے اتنے زیادہ کمزور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے ادارے کے وسائل بھی پورے نہیں کر پا رہے۔ اس وقت ہمارا ملک ڈیفالٹ کے دھارے پر کھڑا ہے، قرضے لے لے کے ملک کی معشیت کو دھکے لگائے جا رہے ہیں۔ بھاری ٹیکس پہ قرضے لیے جا رہے ہیں جن سے ملک دن بدن اور معاشی کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ بیرونی قرضوں نے پاکستان کی معشیت کو تباہی کے دہانے رکھ دیا ہے، ملک میں ادارے کرپشن، لوٹ مار اور غیر ذمہ دارانہ رویے کا شکار ہیں۔ اس کا کوئی بھی پوچھنے والا نہیں۔ ہر نئے آنے والی حکومت وعدے کر کے پانچ سال گزار کے چلی جاتی ہے۔

پاکستان ایک امید

آمنہ راجپوت

کوئی بھی اپنے مطلب کے بغیر ملک کے لیے کچھ نہیں سوچتا، اللہ کرے اس ملک کی باگ ڈور ایسے لیڈروں کے ہاتھوں میں دے جو علامہ اقبالؒ اور قائداعظم جیسی سوچ اور خواب رکھیں۔ اب ایک امید کے ساتھ رہ رہے ہیں کہ جلد ہی پاکستان ترقی یافتہ ملکوں میں شمار ہو گا۔

بلومبرگ رپورٹ کے مطابق 2024ء میں پاکستان کی معیشت بحال ہونے کے راستے پر ہے، پاکستان کی معاشی بحالی میں کئی عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلے سرِ فہرست آئی ایم ایف کا قرضہ پروگرام ہے جس کا مقصد مالیاتی پالیسیوں کو مضبوط بنانا اور سماجی تحفظ کو فروغ دینا ہے۔

ایک امید کی جا سکتی ہے کہ انشاءاللہ آنے والے سالوں میں پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

پاکستان کی معشیت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں قرضے لینے کی شرح کو کم کرنا ہے، پاکستان کی معاشی حالت کو بہتر کرنے کے لیے کاشتکاری کے منصوبوں پر عمل کرنا ضروری ہے، اس سے خاطر خواہ فوائد حاصل ہوں گے۔ پاکستان کی معیشت کو کئی خطرات کا سامنا ہے جو اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

پاکستان کے لوگ جو کہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، وہ جو اپنے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام نہیں کر پاتے، اس وقت سربراہ کی طرف سے کوئی ایسے ریلیف کے انتظار میں ہیں جس سے ان کے گھر کے اخراجات برداشت کرنے میں مدد ملے۔ ہمارے ملک میں ایسے گھرانے کئی تعداد میں ہیں جو مفلسی میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

پاکستان ایک امید

آمنہ راجپوت

ایسے لوگوں کا ذریعہ آمدن کچھ بھی نہیں ہے، نہ ان کے ہاتھ میں کوئی ہنر ہے اور نہ ان کے ہاتھ میں کوئی تعلیم، ایسے لوگوں کے لیے حکومت کو انتظام کرنا چاہیے، ان کے لیے مختلف منصوبے ترتیب دیے جائیں تاکہ ہر بندہ اپنی روزی روٹی کا انتظام کر سکے۔ جب تک پاکستانی معشیت صحیح معنوں پہ ترقی نہیں کرے گی تب تک ملک کے حالات ایسے ہی رہیں گے اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا جائے گا اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا جائے گا، مفلسی پھیل جائے گی اور گداگری عام ہو گی کیونکہ حالیہ سالوں میں ایسے لوگوں کو بھی جرائم میں ملوث پایا گیا ہے جو سفید پوش خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اپنے بچوں کی خاطر، اپنے گھر کی خاطر اور ان کا پیٹ پالنے کی خاطر جرائم کرنے پر مجبور ہوئے۔

اس میں قصور کس کا ہے، حالات کا یا ان لوگوں کا جو جرائم پیشہ بنے یا حکومتِ وقت کا جو ایسے منصوبے ترتیب نہیں دے پا رہی جس سے ہماری غریب عوام کو کوئی فائدہ حاصل ہو۔ اب بھی پاکستانی عوام اس امید پر زندہ ہے کہ انشاءاللہ ضرور ہمارے پاکستان میں ترقی کی راہیں ہموار ہوں گی، غریبوں کے لیے نئے نئے راستے کھلیں گے اور ان کے لیے ہنر پروگرام شروع کیے جائیں گے جس کی وجہ سے غریب آدمی بھی اپنی روزی کا انتظام عزت سے کر پائے گا۔ جس کو بہتر کرنے کے لیے اور ان سے نمٹنے کے لیے انتظامات کرنے ضروری ہیں۔ حالیہ سروے کے مطابق ہر 10 میں سے 6 پاکستانی مستقبل سے پرامید ہیں۔ منتخب حکومت کے آنے کے بعد اب یہ امید کی جارہی ہے کہ ملک میں ترقی ہو گی۔

پاکستان ایک امید

آمنہ راجپوت

مہنگائی پر کنٹرول کیا جائے گا، غریب لوگوں کا چولھا بھی جلے گا، نوجوان نسل کی نوکری کے مواقع پیدا ہوں گے اور ملک میں تمام ادارے فعال ہوں گے۔ ملک میں بے روزگاری کا خاتمہ ہو سکے گا، نئے مواقع آئیں گے تو ہمارا ملک انشاءاللہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

پاکستان کیونکہ ایک نظریہ پر قائم کیا گیا، وہ نظریہ بہت مضبوط ہے اس کی تناظر میں یہ ایک ایسا وطن ہے جس نے نہ صرف ایک ایسے لوگوں کا وقار بلند کرنا ہے بلکہ پوری دنیا کے لیے کام کرنا ہے اور مثال بننا ہے۔ اس طرح ہماری زمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ملک میں خوشحالی آئے گی اور ہم دنیا میں اپنا نام پیدا کریں گے۔ جس سحر کی امید تھی، پاکستان ابھی تک اسی امید میں ہے۔

جس کا خواب ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا، جس کی تکمیل کے لیے لاکھوں قربانیاں دی تھیں ابھی تک اس کے انتظار میں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں جلد ہی ایسی نوید کی سحر دکھائی دے تاکہ آنے والی نسل ان مسائل سے دوچار نہ ہو جو ہمارے ستر سال کی خوشیوں اور کامیابیوں کو نگل گئے۔

ہم ابھی تک اسی سحر کی نوید میں ہیں وہ سحر جو کامیابی اور کامرانی کا سورج لے کر آئے۔
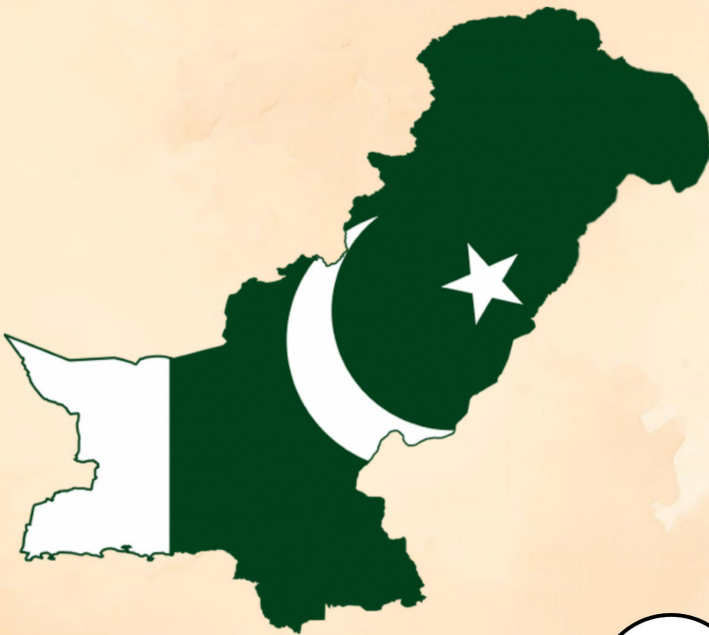
ضمیر فروش طوائفیں

محمد فرید فریادؔ

اس جہانِ فانی میں ہر شخص اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کے خاطر کچھ نہ کچھ کرتا ہے تاکہ وہ آسودگی کے ساتھ اپنی زندگی کے مراحل طے کر سکے۔ اس کے لیے اسے حلال اور حرام کے تعین کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے معاشرے میں اگر کسی کو سب سے گرا ہوا یا معاشرے کو پراگندہ کرنے والا تعفن یا ناسور سمجھا جاتا ہے تو وہ طوائف ہے۔ جو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اپنے جسم کا سودا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسے تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ یہ معاشرے کا ناسور ہے جو ہمارے ماحول کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہم اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو دو وقت کی روٹی کے لیے جسم فروشی کرتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں سفید پوش، کھادی پوش اور خاکی پوش، جیسی ضمیر فروش طوائفوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ اپنے بینک بیلنس کو بڑھانے کے لیے تو کبھی عالیشان بنگلہ بنانے کے لیے رشوت، حرام خوری اور ضمیر فروشی کے دھندے چلا رہی ہیں۔ وارڈ ممبر سے لے کر اوپر تک گھوٹالہ ہی گھوٹالہ نظر آتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ وہ طوائفیں ہیں جو چند سکوں کے لیے اپنے مادر وطن تک کی بولی لگا لیتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آئے دن اس طرح کے واقعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انھیں ضمیر فروش طوائفوں کی وجہ سے غریبوں کا حق مارا جاتا ہے۔ جب انھیں ہر جگہ سے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب جا کر جسم فروش طوائفوں کا وجود آتا ہے۔ گویا کہ اس کو بڑھاوا دینے والی ضمیر فروش طوائف ہے۔ تو اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ کون سی طوائف ہمارے معاشرے کے لیے زیادہ خطرناک ہے، ضمیر فروش یا جسم فروش؟

تفسیر سورت عبس

زعیمہ روشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیالیس آیات مبارکہ ہیں۔
مفسرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ سورت ایک نابینا صحابیِ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن امِ مکتوم کے بارے میں بیان ہوئی ہے جو کسی مشرکین کے قبیلے کے بڑے آدمی کی موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی توجہ کا مرکز نہیں بنا اور پھر اللہ نے یہ سورت عبس نازل فرمائی۔
عبس کا معنی ہے "اصلی بات"۔
حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ مشرک ابی بن خلف تھا اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ سورت نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ ابن امِ مکتوم کی عزت کیا کرتے تھے۔
یعنی بے شک آپ ﷺ ہمیشہ سب سے حسنِ سلوک فرماتے تھے، عدل و انصاف کا پیکر تھے۔

اگرچہ آپ ﷺ کا مقصد مشرکین کو وقت دے کر دین کی طرف راغب کرنا تھا اور اسی دوران نابینا صحابی کا منتظر رہنا بھی اللہ تعالیٰ سے برداشت نہیں ہوا اور اللہ نے سورت عبس نازل فرمائی۔
سبحان اللہ یعنی اللہ اپنے بندوں کو کتنا محبوب رکھتا ہے۔ اتنا کہ اپنے محبوب کو یہ بات واضح فرمائی کہ اس کا کیا قصور ہے، اسے کیا پتا آپ ﷺ کس سے بات کر رہے ہیں، وہ تو نابینا ہے۔
مطلب ان آیات مبارکہ سے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ کمزور اور معذور لوگوں کو دین کی بات زیادہ اثر کرتی ہے اور مشرکین جو کہ اس قابل نہیں کہ ان کو زیادہ توجہ دی جائے۔
آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزیں اور واضح کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

تفسیر سورت عبس

زعیمہ روشن

(آیات مبارکہ 13 تا 14) ان آیات مبارکہ میں اللہ نے قرآن مجید کے بارے میں بیان کیا ہے اور ان کے اوراق کی عزت واحترام کو واضح کیا ہے اور ان آیات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں قرآن مجید کی بہت عزت و تکریم کرنی چاہیے۔ (آیات مبارکہ 14 تا 23) شروع کی آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لکھنے والوں کی تعریف بیان کی اور ان کی عزت کو واضح کیا۔ اللہ کے نزدیک وہ سب قابل عزت ہیں چاہے وہ انسان ہوں یا فرشتے۔ پھر فرمایا کہ قرآن سیکھنے اور سیکھانے والے تم میں سے سب سے بہتر ہیں۔ کیونکہ صرف سیکھنا مقصد نہیں آگے پھیلانا ساتھ لازم ہے۔ پھر فرمایا (مفہوم) یعنی ناشکرے اور متکبر لوگوں سے اللہ اعلانیہ ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں کہ انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے وہ کیوں بے خبر ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کا انجام بھی ہوگا۔

اللہ نے انسان کے اوپر اتنے احسانات کیے اس کا بدلہ انسان کبھی پورا کر ہی نہیں سکتا۔ (آخری آیات مبارکہ) ان آخری آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دنیا میں انسان کو عنایات کی ہیں ان کو واضح کر کے فرمایا یعنی آسمان سے بارش کا برسنا، زمین میں طرح طرح کے پھل، باغات اور ان سب چیزوں کا یعنی کھجور اور باقی درخت اور سبزے وغیرہ کا پھر سے اگنا اور طرح طرح کے معجزات ہونا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایک دن انسان کو مرنا ہے، قیامت کو برپا ہونا ہے، سب کا حساب ہونا ہے اور بے شک قیامت کے دن افراتفری کا عالم ہوگا، ایک گھر کے افراد یعنی ماں اور اولاد بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے، اور بے شک جو نیک لوگ ہوں گے ان کے چہرے روشن اور نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور فاجر لوگ اس وقت چہرے پر سیاہی لیے مایوس ہوں گے۔

حرا شیخ

کئی لوگ ہیں جو کہہ رہے ہیں بائیکاٹ کیوں کریں، ایک ہمارے بائیکاٹ سے کیا ہو گا؟ ہمارے ملک میں تو ہمارے ہی لوگوں کی فرینچائز ہیں، جن کا رینٹ پے کرتے ہیں مالکان۔ ہماری معیشت تباہ ہو گی۔ سویرا پاشا (ایتھلیٹ) ایک شو میں ڈیفینڈ کر رہی تھیں کہ ہم اتنے خود غرض نہیں ہو سکتے کہ اپنے ملک کو نقصان پہنچائیں، اسرائیل نے کون سا ہم پر حملہ کیا ہے، جو ہم بائیکاٹ کریں، ہمدردی ہے ان فرینچائز مالکان سے جن کی فرینچائز بند ہو گئیں، ان ایمپلائرز سے جن کی نوکری ختم ہو گئی، تو میں کہنا چاہتی ہوں ہر اس شخص سے جو بائیکاٹ کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا۔

آپ کو فرق جب ہی پڑے گا؟ جب آپ کے بچوں کو بے دردی سے قتل کیا جائے؟ جب آپ کے گھر بمباری سے ختم کر دیے جائیں، جب آپ کی آنکھوں کے سامنے کٹی پھٹی لاشوں کے انبار ہوں، جب آپ بھوک سے تڑپ رہے ہوں، زخموں سے چور ہوں، بے بسی کی تصویر بن جائیں، ہاں شاید جب ہی آپ کو فرق پڑے، سمجھیں ہم امتِ مسلمہ ایک جسم کی مانند ہیں، جسم کا ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرا حصہ پر سکون رہے، کیا ممکن ہے؟

اگر آپ کے صرف پاؤں کے ناخن میں ہی چوٹ لگ جائے، آپ کو تکلیف محسوس پورے جسم میں ہو گی، سکون نہیں آئے گا جب تک تکلیف ختم نہ ہو جائے، ایک خطے کے مسلمان تکلیف میں ہیں تو آپ کیوں بے حس ہیں اتنے کہ تکلیف محسوس نہیں ہو رہی؟

آپ کھائیں میکڈولڈ، کے ایف سی، لیز، برگر، کولڈ ڈرنکس، ان کی پروڈکٹ استعمال کریں، آپ کے خریدے گئے سامان سے اگر ایک روپے کا بھی اسرائیل کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو آپ بھی دشمنوں کی صف میں کھڑے ہیں۔

حرا شیخ

ہم کیسے مدد کریں؟ وہاں جا کر مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے، ہم وہاں نہیں جا سکتے لیکن ہمارے بس میں جو ہے کم از کم وہ تو کریں، جو تنظیمیں امداد کے لیے جا رہی ہیں، ان کی مدد کیجیے ہر ممکن طریقے سے، اشیائے خرد و نوش، ضرورت زندگی کے سامان مہیا کیجیے، اپنے مسلم بھائیوں کے لیے بھیجیے۔
چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے کثرت سے دعائیں کیجیے، اللہ قبول فرمائے، آمین!
توجہ طلب نکتہ بائیکاٹ ہے، دشمن کی طاقت کو توڑنا ہے ہم نے۔
جب ہم متحد ہوں گے تو دشمن کو فرق پڑے گا۔ ہم کہہ رہے ہیں، وہ بڑی طاقتیں ہیں ہمارے بائیکاٹ سے ان کو فرق نہیں پڑ رہا، کوئی بات نہیں، کم سے کم آپ اللہ کو منہ دکھانے لائق ہوں گے، ہم مدد کو جا نہیں سکتے، لیکن دشمن کے ساتھی بھی نہیں بنے۔

نصر من اللہ و فتح قریب (سورہ الصف)
سر ساحل عدیم کہہ رہے تھے، دو لوگ ہیں، ایک کی جان جا رہی ہے، دوسرے کی نوکری، آپ ایک کو بچا سکتے ہوں، کس کو بچائیں گے؟
ظاہر ہے، جس کی جان جا رہی ہے اس کو بچائیں گے۔
نوکری تو مل سکتی ہے دوبارہ، کیا اللہ رزق دینے پر قادر نہیں ہے؟
ہمارے پاس ہر ہر ہر وڈکٹ کا نعم البدل موجود ہے، خدارا رک جائیں اور بائیکاٹ شروع کر دیں۔
آخر میں دل سے میں یہ بات کہتی ہوں تمام انسانیت کے نام پر ڈھونگ رچانے والی تنظیموں، کوکا کولا اور میک ڈونلڈ کے برگرز کھانے اور اسرائیلی پروڈکٹس کو ڈھٹائی سے استعمال کرنے والے تمام پتھر دل، بے حس، بے ضمیر، منافق، کمزور اور بزدل کرداروں پر لعنت ہو!

حصہ شاعری

رفیق چوگلے

پھول سا اپنا چہرہ کھلا دیکھ کر
خود ہی شرما گئے آئینہ دیکھ کر

جو کریں گے یہاں صبر ہر حال میں
حشر میں ہوں گے حیراں صلہ دیکھ کر

لوگ آتے رہے، لوگ جاتے رہے
کوئی ٹھہرا نہیں حادثہ دیکھ کر

ہم مسلمان ہو کر نہیں ایک ہیں
دل تڑپتا ہے سب کو جدا دیکھ کر

یاد آیا مجھے اپنا خونِ جگر
ان کے ہاتھوں میں رنگِ حنا دیکھ کر

غزل

رفیق چوگلے

دنگ طوفاں بھی ہے، دنگ دشمن بھی ہے
سامنے مجھ کو تنہا کھڑا دیکھ کر

سوچتا ہو گا ہر شخص کیا کیا یہاں
ساتھ تیرے مجھے بار ہا دیکھ کر

کھل کے ہنسنے کے دن اب گئے دوستو
اب تو روتا ہے دل جو کیا دیکھ کر

بندگی کس کی کیونکر کریں اب رفیقؔ
ہر اک انساں کو بنتے خدا دیکھ کر

اب دعا کے لیے ماں نہیں ہے رفیقؔ
چل سنبھل کر تو اب راستہ دیکھ کر

غزل

رفیق چوگلے

بات آخر وصال تک پہنچی
بندگی جب کمال تک پہنچی

آدمی کی نہ چال تک پہنچی
ایک مچھلی جو جال تک پہنچی

موت برحق سہی مگر ناحق
زندگی انتقال تک پہنچی

روز و شب کی کڑی مشقت سے
اپنی روٹی بھی دال تک پہنچی

میں نے چاہا تھا بھولنا لیکن
یاد اس کی کمال تک پہنچی

غزل

رفیق چوگلے

بعد مدت کے اس ستمگر کی
اک نظر میرے حال تک پہنچی

میں نے پوچھا تھا بس پتا اس کا
بات اتنی، وبال تک پہنچی

ایک بد شکل بھی حسین لگی
جب نظر اس کے مال تک پہنچی

کر لے توبہ تُو عاشقی سے رفیقؔ
عمر اب ساٹھ سال تک پہنچی

ظفر اقبال خاموشؔ

سائے میں بیٹھے تو سبھی اشجار چل پڑے
ہم گھر جو ٹھہرے تو در و دیوار چل پڑے

چلنا نصیب میں تھا، چلے ہم تمام عمر
خوابوں میں چل پڑے، ہوئے بیدار چل پڑے

ہم نے شبِ سیاہ بجھایا دیا تو پھر
سب ایک ایک کر کے وفادار چل پڑے

اے دوست دید ان کی مسیحائی ٹھہری ہے
بیمار دیکھے گر انہیں بیمار چل پڑے

منظر کئی قیامتوں کے ہوتے ہیں بپا
وہ بال کھولے جب سرِ بازار چل پڑے

خاموشؔ تم کو آتا تھا کب بولنا مگر
دنیا کو بھا گئے ترے اشعار چل پڑے

بچھڑ جانے والے

اریبہ مظہر

اے بچھڑ جانے والے!
بہاروں میں ہر دم مہکنے والے
ہر سو فضاؤں میں چہکنے والے
وہ ساون کی ہر اک رت میں
وہ مینہ کی ہر اک بوند میں
زندگی کو بھرپور جینے والے خوش بدن
وہ دونوں راحت جاں تھے یہاں
یونہی چلے گئے اک دوجے سے دور
بدگمانیوں نے دراڑ کی تھی پیدا
وہ ساتھ کبھی مکمل نہ رہا
وہ ہاتھ کبھی میرا نہ رہا
وہ جس کی تھی تمنا ہمیں پانے کی
وہ شخص ہم سے دور جا بسا کہیں اور
اب کہ سنو
اے بچھڑ جانے والے عزیز شخص

بچھڑ جانے والے

اریبہ مظہر

تمھاری چاہ میں ہوئے تھے بدنام
پر تم کبھی میرے ہو نہ سکے
میری ویران آنکھوں میں
کبھی جگنو چمک نہ سکیں
میرے دل کے محرابوں میں
تم نے اک حشر بپا کیا ہے
کہ لوٹ آنے کا تمھارا
ابھی تک یقین ہے ہم کو
مگر میں جانتی ہوں کہ
جو اک بار جاتے ہیں زندگی سے
وہ لوٹ کر کبھی نہیں آتے
منتوں، مرادوں سے بھی کچھ نہیں ہوتا
تو کیونکر میں اب تک پرامید ہوں
کیوں اب تک میں ہوں
زندہ اس آس پر

بچھڑ جانے والے

اریبہ مظہر

کہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے
والے شخص
کیا تم نہیں جانتے اس بات کو
انتظار کی سولی جان لیتی ہے پل پل
قسطوں میں ہمیں مارتی ہے
سنو اب کے وقت کم بچا ہے میرے پاس
ابھی واپسی کے در کھلے ہیں
ابھی بھی تم دھڑکتے ہوں دل میں
کہ میری اداس آنکھیں ترس رہی ہیں
لیکن تم کو آڑے مجبوری آ گئی
اور تم نہ لوٹ سکے میری دنیا کبھی
اور میں اپنی آنکھیں موند گئی
تیری حسرت لیے ہمیشہ کے لیے
اے بچھڑ کر جانے والے شخص!
تجھے کیا معلوم ۔۔۔ تجھے کیا خبر

حافظ نبیل عابد

انٹرویو

حافظ نبیل عابد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
احبابِ القلم اردو جہانیاں! امید ہے آپ سب بخیریت ہوں گے اور منتظر ہوں گے اپنے پہلے مہمان سے ملاقات کے۔ انتظار تمام ہوا اور وہ عظیم قلم کار جس کے ہاتھوں نے لکھے بیسیوں کالم، اور بنے کئی سسکتی آہوں کی آواز۔ کبھی اٹھائے ہوئے انصاف کا الم تو کبھی لپیٹ رہے ظلم و ستم کو، کبھی دے رہے وعظ کتاب اللہ کا تو کبھی پڑھ رہے قصیدے منبر و محراب کے۔ گو کہ ایک ایسے بہتریں قلم کار سے ملاقات ہو رہی ہے جنھوں نے سکول کی روایتی تعلیم حاصل نہیں کی مگر اپنے شوق اور لگن کی بنیاد پر آج بہترین لکھاریوں کی صف میں کھڑے ہیں، ماشاءاللہ!
آیئے ان سے مزید جانتے ہیں ان کے زبانی ان کی ذات کے متعلق تاکہ سلجھ سکیں ہمارے الجھے سوالات۔

جی تو ہمارے آج کے مہمان خاص ہیں جناب حافظ نبیل عابد صاحب۔

تنہاؔ لائلپوری: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ محترم نبیل صاحب!
نبیل عابد: وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
تنہاؔ لائلپوری: محترم آپ کا مکمل نام اور قلمی نام کیا ہیں؟
نبیل عابد: حافظ نبیل عابد۔ قلمی نام بھی یہی چلتا ہے۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کا سنِ پیدائش کیا ہے؟
نبیل عابد:1999ء
تنہاؔ لائلپوری: اپنے بچپن کے بارے میں بتایئے؟
نبیل عابد: والد صاحب خود بھی عالمِ دین ہیں۔ الحمدللہ بچپن ان کی سرپرستی میں گزرا، ناظرہ قرآن کی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی اور کچھ حفظ بھی والد صاحب سے ہی کیا۔

انٹرویو
حافظ نبیل عابد

تنہاؔ لائلپوری: آپ کہاں پیدا ہوئے اور آج کل کہاں قیام پزیر ہیں؟
نبیل عابد: ضلع ساہیوال کا مشہور گاؤں 168/ نو ایل اور ادھر ہی قیام پزیر ہوں۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کا تعلق کس ذات/قبیلے سے ہے؟
نبیل عابد: آرائیں
تنہاؔ لائلپوری: آپ کا سلسلہ روزگار کیا ہے؟
نبیل عابد: درس و تدریس، فنِ خطابت۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کے کتنے بھائی بہن ہیں اور آپ کس نمبر پر ہیں؟
نبیل عابد: آٹھ بہن بھائی ہیں۔
میرا چوتھا نمبر۔
تنہاؔ لائلپوری: کیا آپ شادی شدہ ہیں؟
نبیل عابد: نہیں۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ نے کب سے لکھنا شروع کیا؟
نبیل عابد:2022ء

فرید فریادؔ: لکھنے کی کیا وجہ بنی یا لکھنے کا جذبہ کیوں کر پیدا ہوا؟
نبیل عابد: مشہور کالم نگار جاوید چوہدری کو بہت پڑھا میں نے اس طرح جاوید ہاشمی صاحب کی کتاب "ہاں میں باغی ہوں" کا مطالعہ کیا۔ پتا چلا کیسے اپنے الفاظ اور جذبات کو لفظوں کی صورت میں ڈھالنا ہے اور بہت سارے اسلامی ناولز نظر سے گزرے۔ بڑے بھائی نے لکھنا شروع کیا تو دیکھا دیکھی میں نے بھی شروع کر دیا۔
فائزہ شہزاد: السلام و علیکم! جناب حافظ نبیل صاحب! آپ حافظ ہیں ماشاء اللہ! سب سے بڑا اعزاز آپ کے لیے اور والدین کے لیے تو ہے ہی ہے۔
آپ اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بتائیے اور آپ نے پہلے حفظ کیا اور بعد میں اسکول جوائن کیا ہو گا تو اس میں آپ کو کوئی مشکل تو نہیں پیش آئی؟

انٹرویو حافظ نبیل عابد

آپ نے روایتی تعلیم حاصل نہیں کی، اس سے کیا مراد ہے؟
کب سے لکھنا شروع کیا اور کیا کسی سے متاثر ہو کر لکھا یا بس بیٹھے بیٹھے کچھ ذہن میں آیا اور قلم اٹھا لیا؟
نبیل عابد: وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! پرائمری تک سکول کی تعلیم حاصل کی ہے پھر اس کے بعد قرآن مجید حفظ کیا اور درسِ نظامی کا کورس کیا، پھر تجوید وقرات کی الحمدللہ! سکول کی طرف توجہ نہیں کی، دینی علوم سیکھنے پر زیادہ توجہ کی۔
بڑے بھائی الشیخ تنزیل عابد صاحب سے کی طرف دیکھ کر لکھنا شروع کیا۔
نایاب ہاشمی: السلام علیکم! حافظ نبیل صاحب آپ کی بہترین تحریر کون سی ہے؟ کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے کوئی تحریر لکھنا شروع کی ہو اور کسی وجہ سے ادھوری رہ گئی تو کیا پھر اسے مکمل کرنا آسان ہوا؟

نبیل عابد: وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! مختلف کالم ہیں جن کو کافی پزیرائی ملی، جو درج ذیل ہیں:
میرا وطن ڈوب رہا ہے، یونان کے ساحل پر تڑپتی سسکتی جوانیاں اور مجھے اس جہنم سے نکالو۔
مختلف اوقات میں تحریر مکمل کرتا ہوں، اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔
نایاب ہاشمی: آپ کے پسندیدہ شاعر کون ہیں اور کیوں؟
نبیل عابد: اسلامی شاعر پسند۔
ثنا اکرم: آپ کی لائبریری میں موجود آپ کی پسندیدہ کتاب کون سی ہے؟
نبیل عابد: ڈاکٹر عبد الرحمٰن العریفی کی کتاب زندگی سے لطف اٹھائیے۔
ثنا اکرم: اب تک جن مصنفین کو آپ نے پڑھا، ان میں متاثر کن بات کیا رہی؟
نبیل عابد: ان کے لکھنے کا انداز بہت عمدہ۔

انٹرویو حافظ نبیل عابد

ثنا اکرم: محترم آپ ایک استاد ہیں ماشاءاللہ! آپ کیا سمجھتے ہیں اپنے شاگردوں کو روایتی تعلیم کے ذریعے معاشرے کے لیے بہترین فرد بنا سکیں گے؟

نبیل عابد: مثالی تربیت کرنا ہوگی پھر ہی جا کر وہ باوقار شہری بن سکتے ہیں۔

بشریٰ نصراللہ: السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ! امید کرتی ہوں کے آپ ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوں گے۔ سب سے پہلے بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمارے لیے وقت نکالا۔ اللہ پاک آپ کے علم، عمل، وقت میں برکت ڈالے۔ آمین! میرا سوال آپ سے یہ ہے کے آپ کا پہلا کالم کون سا ہے؟

نبیل عابد: وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ہم پریشان کیوں؟

بشریٰ نصراللہ: کس عمر میں حفظ کرنا چاہیے؟

نبیل عابد: پرائمری کے فوری بعد۔

بشریٰ نصراللہ: ایسی کون سی باتیں ہیں جو حفظ کے لیے بہت ضروری ہیں؟

نبیل عابد: اللہ سے دعا اور مسلسل محنت۔

بشریٰ نصراللہ: آپ کے خیال میں حفظ ہوسٹل میں رہ کے زیادہ بہتر ہے یا پھر گھر سے جایا کرنا چاہیے مدرسہ؟

نبیل عابد: روز گھر آنا، حفظ کے دوران یہ مناسب نہیں میرے خیال سے کیونکہ ایسے بہت سارا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ مغرب کے بعد ہی اصل سبق یاد کرنا ہوتا اور فجر سے پہلے سردیوں میں خصوصاً۔

بشریٰ نصراللہ: آپ نے ماشاء اللہ! دینی تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ نے اپنا کوئی ادارہ بنایا یا پھر بنانے کا سوچا ہے؟

نبیل عابد: ارادہ ہے ادارہ بنانے کا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ بہترین کریں گے۔

ادبی ادارہ جنوری 2024ء کے وسط میں شروع کر دیا۔ الحمدللہ!

انٹرویو حافظ نبیل عابد

بشریٰ نصراللہ: نوجوان نسل کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟
نبیل عابد: اللہ کے ساتھ محبت کریں اور اپنی جوانی کی قدر کریں۔
گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے نوجوانوں کو۔
عنائزہ عزیر: ہمارے معزز مہمان محترم حافظ نبیل عابد صاحب کو خوش آمدید۔
بلاشبہ آپ ایک انتہائی بہترین شخصیت کے حامل ہیں۔ آج کے دور میں جب مرد لکھاریوں کے متعلق پریشان کن خبریں ملتی ہیں، ایسے میں محترم حافظ نبیل صاحب اور ان جیسے افراد بھی ہیں جن کے کردار دوسروں کے لیے کوئی پریشانی کا باعث نہیں بنتے۔
میں محترم حافظ نبیل عابد صاحب سے یہ معلوم کرنا چاہوں گی کہ اگر کسی بھی خاتون لکھاری کے ساتھ کوئی نامناسب واقعہ پیش آتا ہے تو اس کو کیسا رویہ اپنانا چاہیے؟

نبیل عابد: ایک بات یاد رکھنی چاہیے ہمیں جب تک لڑکی خود کی حفاظت کرے گی تب کوئی بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، ہراساں نہیں کر سکتا۔ خواتین لکھاریوں کو سخت لہجے سے بات کرنی چاہیے اور صرف کام کی بات، یہاں تک کہ کسی مرد کا میسج پر حال احوال بھی نہ پوچھیں۔ جو جانتا ہے وہ تو ٹھیک باقی نہیں، بس سلام اور کام کا میسج۔
رابعہ ذوالفقار: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ سبحان وتعالی اپنی رحمتوں کے حصار میں رکھے۔ آمین!
میرا آپ سے سوال ہے ایک اچھا لکھاری ہونے کے ناطے ہمیں کم از کم مطالعہ کس حد تک کرنا چاہیے؟ اور کیا لکھنے کے لیے ویل ایجوکیٹڈ ہونا ضروری ہے؟ اور تربیت ضروری ہے؟
نبیل عابد: بالکل تربیت ضروری ہے۔ لکھنے کے لیے تربیت نہیں ہو گی تو گند لکھنے کی کوشش کریں گے۔

انٹرویو

حافظ نبیل عابد

عمر فیاض: تسلیمات حافظ صاحب! آپ کی کتنی تصانیف شائع ہو چکی ہیں اب تک؟

نبیل عابد: میری کتاب "نبیل کی زنبیل سے" تیاری کے مراحل میں ہے۔

تنہا لائلپوری: آپ کا ادبی کام کب تک طباعت کے مراحل مکمل کرے گا؟

نبیل عابد: ان شاءاللہ جلد۔

عمر فیاض: کون سی اصناف آپ کے زیرِ قلم ہیں؟

نبیل عابد: کالم لکھتا ہوں۔

عمر فیاض: اب تک کتنے کالم لکھ چکے ہیں؟

نبیل عابد: تقریباً 70

عمر فیاض: ماشاءاللہ! جیسا کہ آپ بتا چکے ہیں کہ آپ نے تقریباً ڈیڑھ یا دو سال سے لکھنا شروع کیا ہے تو اتنے قلیل وقت میں اتنا ذخیرہ کیسے ممکن ہوا؟ حالانکہ کالم نگاری ایک تحقیق طلب کام ہے۔

نبیل عابد: میرا تعلق درس و تدریس سے ہے، مطالعہ سے وابستگی رہتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں یہ ذخیرہ لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔

عمر فیاض: ایک دن میں کتنا وقت دیتے ہیں مطالعہ کو؟

نبیل عابد: کام ہی یہی ہے پڑھنا اور پڑھانا۔

تنہا لائلپوری: ادبی حوالے سے آپ کس کو استاد مانتے ہیں؟

نبیل عابد: بڑے بھائی تنزیل عابد صاحب کو اور میڈم ثناء اکرم ملی صاحبہ۔

تنہا لائلپوری: آپ ذاتی تعلقات کے علاوہ کن کن شخصیات سے متاثر ہیں؟

نبیل عابد: شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم صاحب، استادِ محترم الشیخ بلال ثاقب صاحب اور الشیخ عبدالحمید عادل صاحب

تنہا لائلپوری: آپ کس مذہبی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں؟

نبیل عابد: الحمدللہ! اہلحدیث ہوں۔

انٹرویو

حافظ نبیل عابد

تنہاؔ لائلپوری: آپ کی تحریرات کا بنیادی موضوع کیا ہوتا ہے؟
نبیل عابد: مختلف موضوعات پر لکھتا رہتا ہوں۔ سیاست اور مذہب پر بھی لکھا ہے۔
فرید فریادؔ: آپ کے پسندیدہ موضوعات کیا ہیں؟
نبیل عابد: تاریخ اور سیرت۔
تنہاؔ لائلپوری: سیاست میں آپ کس سیاسی جماعت کا ساتھ دیتے ہیں؟
نبیل عابد: مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کا کارکن ہوں تو ان کا اتحاد پاکستان مسلم لیگ ن سے ہے تو حمایت بھی ن لیگ کی کرتا ہوں۔
تنہاؔ لائلپوری: اہلِ حدیث غیر مقلد ہوتے ہیں۔ پھر سیاسی معاملے میں مرکزی جمعیت کی تقلید کی طرف اشارہ کیوں؟ آپ نے اپنا ذاتی نظریہ نہیں بتایا۔
نبیل عابد: ذاتی طور پر بھی ن لیگ کا ووٹر اور سپورٹر ہوں۔

تنہاؔ لائلپوری: دیگر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
نبیل عابد: زیادہ سیاست میں دلچسپی نہیں۔
تنہاؔ لائلپوری: کیا آپ نے کبھی محبت کے موضوع پر لکھا ہے؟
نبیل عابد: نہیں
تنہاؔ لائلپوری: آپ کے گھر میں آپ کی تحریرات کس کس کو متاثر کر چکی ہیں؟
نبیل عابد: سب ہی پسند کرتے ہیں۔
تنہاؔ لائلپوری: کوئی ایوارڈ / سرٹیفکیٹ / اعزازی شیلڈ جو آپ نے حاصل کی ہو؟
نبیل عابد: جی سرٹیفکیٹ حاصل کیے۔ پہنچان پاکستان کی طرف سے اور سرائے سخن اور تحریم رائیٹرز فورم۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کو دنیا میں کون کون سا ملک پسند ہے؟
نبیل عابد: سعودیہ، ترکی اور بھارت کا پنجاب دیکھنے کی کافی خواہش۔

انٹرویو حافظ نبیل عابد

تنہاؔ لائلپوری: آپ کو پاکستان کا کون سا شہر زیادہ پسند ہے؟
نبیل عابد: لاہور۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کو کون سا موسم پسند ہے؟
نبیل عابد: سب ہی۔
فرید فریادؔ: آپ کو کون سا رنگ پسند ہے؟
نبیل عابد: جو اللہ کے نبی ﷺ کی پسند وہی ہماری، سفید۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟
نبیل عابد: پیزہ اور بریانی۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کو کسی سے محبت ہوئی؟
نبیل عابد: محبت کے بنا تو زندگی بھی کا وجود ہی نہیں، میں پھر کیسے باز رہ سکتا ہوں اس فطری احساس سے۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ محبت کی کیا تعریف کریں گے؟
نبیل عابد: محبت وہی ہوتی ہے جس سے آپ کو دعویٰ ہو محبت کا آپ اس کو نمازی بنا دیں، اس کی آخرت کی فکر کریں، تب سمجھ آتا واقعی حقیقی محبت ہے۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ شادی اپنی مرضی سے کریں گے یا گھر والوں کی؟
نبیل عابد: والدین کی مرضی سے۔
حسن مختار: زندگی میں سب سے بڑا سبق کیا سیکھا ہے؟
نبیل عابد: کسی پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ جب بھی نقصان پہنچایا کسی نے تو وہ دوست کے روپ میں ہی تھے۔ اس لیے اپنے راز اللہ سے شئیر کریں یا والدین سے بس۔
تنہاؔ لائلپوری: کوئی آپ کی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟
نبیل عابد: عمرہ ادا کرنا چاہتا، یہ ابھی تک خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اللہ کر دیں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔

انٹرویو
حافظ نبیل عابد

تنہاؔ لائلپوری: ایسا شخص جو آپ کو بہت یاد آتا ہو؟
نبیل عابد: بھتیجی کی یاد آتی بہت، جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔
تنہاؔ لائلپوری: آپ کو کون سا پھول پسند ہے؟
نبیل عابد: سب ہی پسند۔
تنہاؔ لائلپوری: کیا آپ کھیلوں میں دلچسپی رکھتے ہیں؟
نبیل عابد: نہیں۔
تنہاؔ لائلپوری: کوئی قول/شعر/کہاوت جو آپ کو پسند ہو؟
نبیل عابد: ہر وہ قول پسند ہے جو ہمیں اللہ کے قریب کر دے۔
تنہاؔ لائلپوری: کیا آپ ادب کے فروغ کیلئے کام کرنے والوں کو کچھ کہنا چاہیں گے؟
نبیل عابد: ادب کو پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ ایسے کسی بھی قلم کار کو لکھنے کا موقع نہیں دینا چاہیے جو فحش اور گند لکھتا ہے۔

تنہاؔ لائلپوری: ادارہ القلم اردو جہانیاں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
نبیل عابد: بہت اچھا ادارہ ہے۔ کوشش کیجیے اچھی ذہنیت کے حامل لوگوں کو شامل کرنے کی۔
تنہاؔ لائلپوری: چیف ایڈیٹر تنہاؔ لائلپوری اور انچارج ثنا اکرم ملی کو کوئی نصیحت کرنا چاہیں گے؟
نبیل عابد: گروپ کے ممبران پر نظر ثانی کیجیے، اچھی ذہنیت کے حامل افراد کو موقع دیں۔
تنہاؔ لائلپوری: محترم حافظ نبیل عابد صاحب کا تہِ دل سے شکریہ کہ آپ نے ادارہ کیلئے اپنا قیمتی وقت دیا۔ والسلام!